هٰذا بصائر للناس

بصائر

از

خواجہ محمد عبدالحی فاروقی

پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ

جسکو

محمد اشرف، بی اے، جامعہ ملیہ اسلامیہ، علیگڑھ
نے شائع کیا

(طبع ثانی)

قیمت فی جلد چھ آنہ (۶؍)

طبع اوّل سنہ ۱۳۴۰ ہجری

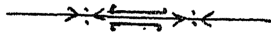
طبع ثانی سنہ ۱۳۴۱ ہجری

مطبوعہ فیض عام پریس، علی گڑھ

منشی عبدالسلام پرنٹر

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تمہید

قرآن حکیم میں گزشتہ اُمتوں کے واقعات و حوادث بیان کئے گئے ہیں، لیکن ان قصوں کے بیان کرنے میں اس کتاب عزیز کا انداز بلیغ یہ ہے کہ وہ عموماً واقعہ کے ان ہی اجزا کو بیان کرتی ہے جو نتائج و عبرت، پند و موعظت، اور موضوع و مقصد حکایت کے لحاظ سے قصہ کے ضروری اور ناگزیر اجزا ہیں، اور ان چیزوں کو بالکل ترک کر دیتی ہے جن کے بیان سے استدلال اور مقصد نصیحت کو کوئی تعلق نہیں، اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ توراۃ سامنے رکھ لی جائے، اور کسی مشترک قصہ کو دونوں میں دیکھا جائے، توراۃ کا مقصد قصوں کے بیان کرنے سے عبرت و موعظت، و استخراج نتائج نہ تھا، اس لئے وہ ایک مورخ و راوی کی طرح اوّل سے آخر تک تمام واقعات کو بیان کرتی ہے، اور اس باب میں صرف واقعات کا جمع کرنا اس کے پیش نظر ہے، نفع و عدم نفع، و احتیاج و عدم احتیاج کو نہیں، برخلاف اس کے قرآن حکیم کا مقصد، کتاب پیدائش و خروج

کی طرح واقعات کو جمع کر دینا اور تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ہدایت و موعظت،
وہ کسی قصہ کو لیتا ہی تو اس لئے نہیں کہ مورخ کی طرح مرتب کرے بلکہ اس لئے کہ
اُن سے کسی خاص تعلیم کے لئے استشہاد و استدلال کا کام لے، حفظ واقعات
و تاریخ، دنیا کے لئے بیکار ہے بجز اس کے کہ اس کے نتائج مستقبل میں کام آئیں،
فلسفۂ تاریخ کا یہی مقصد بیان کیا جاتا ہے، قرآن حکیم نے اسی کو پیش نظر رکھا ہے،
وہ قوموں اور اُمتوں کے مشہور ایام و سنین انقلابات سے استخراج نتائج، و
استنباط شواہد، و تعلیل و توجیہ امور کرتا ہے، اسی کا نام بصائر و موعظت ہے۔"

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ج ومن عمی فعلیہا (۶: ۱۰۴)

اور اس معنی میں دنیا کے پاس قصص اولین کے لئے بجز قرآن اور کوئی کتاب نہیں

ہم نے اپنی تفسیر الفرقان فی معارف القرآن کے مقدمہ میں قصص القرآن
کے موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اور اصولی طور پر اس کے تمام اطراف و جوانب
کو صاف کر دیا ہے، چنانچہ اس تفسیر کی پہلی جلد خلافت کبریٰ شائع ہو چکی ہے، جو
سورہ بقرہ کی جامع و حاوی تفسیر ہے، یہاں ہم ان قصوں کے بعض مقاصد مہمہ
کی جانب اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

(الف) ان قصص و اخبار کے بیان کرنے سے قرآن حکیم کا مقصد تاریخ نہیں
ہے بلکہ بعض ایام و سنین مشہورہ عالم سے استدلال و استشہاد،
اور بعض نتائج عبرت و ہدایت کے لئے نظائر و امثال، و استقرائے
تاریخی، اس لئے وہ صرف مطلوبہ اجزا پر اکتفا کرتا ہے۔

(ب) قرآن حکیم اکثر اوقات قصوں کے بیان کرنے میں صرف اشارات پر

اکتفا کرتا ہے، اور باقی کے لئے سننے والے کے علم پر اعتماد کرتا ہے،
اس لئے کہ وہ واقعات شہرت رکھتے ہیں، اور ان کی شرح وتفصیل
لوگوں کے پاس موجود ہے، البتہ اگر واقعات یا عقائد کی تصحیح
مقصود ہو تو باوجود علم مخاطبین، ان کو بیان کرتا ہے کہ ان کو اغلاط
سے الگ کرکے صورت صحیحہ میں جلوہ گر کیا جائے۔

پہلی قسم کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور بنی اسرائیل کے واقعات و
حوادث ہیں، اس رسالہ میں ہم اپنے مباحث کو صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود
رکھتے ہیں، ان حالات و واردات کے بیان کرنے سے ہمارا صرف یہ مقصد ہے
کہ کتاب عزیز کے بعض ان پہلوؤں کو ممتاز و نمایاں کیا جائے، جو اب تک
بحث و نظر سے محروم تھے، اس کے اسرار و مصالح، اور معارف وحکم کا جدید
باب مفتوح ہو، اور ارباب نظر و بصیرت پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ تاریخ ہمیشہ
اپنے آپ کو دوہراتی ہے، اگر چشم بصیرت وا ہو تو ہم اس وقت بھی قصۂ فرعون
موسیٰ کا تماشا ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

ہم نے بنی اسرائیل کو قصص القرآن کی اوّلین صف میں لاکر کھڑا کیا، اور سب سے
پہلے ان ہی کے سوانح و حالات سے بحث کی، اس انتخاب کا سبب بالکل ظاہر ہے،
قرآن حکیم نے سورۂ بنی اسرائیل میں بتایا ہے کہ بنی اسرائیل پر غفلت و ضلالت
کے دو سب سے بڑے دور آئے، اس لئے دو ہی مرتبہ عام بربادی بھی چھائی، اور
ان کو عذاب دینے کے لئے دو جابر و قاہر قومیں مسلّط ہوئیں، پہلی بربادی بخت نصر
والی بابل کے ہاتھوں ہوئی، اور دوسری ٹیٹس، قیصر روم کے ہاتھوں:-

وقضينا الی بنی اسراءیل فی الکتٰب لتفسدنّ فی الارض مرّتین و لتعلنّ علوًّا کبیرا ○ فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لّنا اولی باس شدید فجاسوا خلٰل الدیار ط وکان وعدا مفعولا ○ (۱۷ : ۴و۵)	اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب میں صاف کہہ دیا تھا کہ تم ضرور ملک میں دو دفعہ فساد کروگے، اور دونوں دفعہ لوگوں پر بڑی زیادتیاں بھی کروگے، تو جب ان فسادوں میں پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں اپنے ایسے بندے اُٹھا کھڑے کئے، جو بڑے سخت گیر تھے، اور وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے، اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا

بنی اسرائیل کی پہلی بربادی خود ایشیا ہی کی ایک قوم کے ہاتھوں ہوئی، یعنی اہل بابل کے ہاتھوں، اور دوسری کا ظہور یورپ سے ہوا یعنی روم سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اور صدہا امور پر پیشین گوئی کے طور پر روشنی ڈالی، اور وہ سب کے سب بحرف ثابت ہوئے، اسی طرح پر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو الفعل بالفعل	میری اُمت پر بھی وہ سب کچھ گزرنے والا ہے جو بنی اسرائیل پر گزر چکا۔

ٹھیک اسی طرح فتنہ تاتار کے ظہور میں مسلمانوں کے لئے وہی معاملہ تھا جو بنی اسرائیل کے واسطے بخت نصر کے ظہور میں تھا، یہ فتنہ ایشیا کا تھا اور وہ ہو چکا ہی، دوسرا یورپ کا ہے جو ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر بنی اسرائیل کے متعلق نہایت ہی مفصل ومبسوط

درس دیئے ہیں، اور ان میں اس قوم کی اجتماعی و انفرادی خرابیوں پر روشنی ڈالی ہے، مندرجہ بالا حدیث نے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں میں وہ تمام باتیں پیدا ہو کر رہیں گی جنکا شکار بنی اسرائیل ہوئے، سورہ بقرۃ کی تفسیر میں ہم نے مسلمانوں اور یہودیوں کے حالات کا مقابلہ کر کے دکھا دیا ہے کہ فرزندان اسلام ٹھیک ٹھیک یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، فراعنہ مصر نے صدیوں تک بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھا، اُن کی فطری آزادی کو سلب کر لیا، اور ان کو جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا، تا آنکہ قدوس حق نواز نے اپنا دست اعانت دراز کیا، اور موسیٰ عمران کو فرعون کی تباہی و بربادی کے لیئے بھیجا، آج بھی اس زمانہ کے فراعنہ، وہ سب کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں جو کئی ہزار برس قبل بنی اسرائیل کے ساتھ سرزمین مصر میں ہوا، وما یعقلھا الا العٰلمون، وقلیل ما ھم ہمنے اسی حقیقت کو آیندہ اوراق میں بیان کیا ہے:-

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!

فراعنہ مصر

کنعان کا ایک اسرائیلی نوجوان، سرزمین فراعنہ میں قدم رکھتا ہے، غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا جاتا ہے، اور پھر وہی نوجوان، عمل صالح کی قاہرانہ قوت سے مصر کے تاج و تخت کا مالک بن جاتا ہے، فراعنہ مصر کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مصریوں کو اس زمانہ میں غیر قوموں سے بڑی نفرت تھی، حتیٰ کہ ہندوؤں کی طرح چھوت کرتے تھے، توراۃ میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں کے لئے دسترخوان چنوایا، تو اُن کے برتن

مصریوں سے الگ رکھے، کیونکہ مصری، عبریوں کے ساتھ کھانا مکروہ سمجھتے تھے،

(پیدائش، ۴۳ : ۳۲)

ایسی قوم کی نگرانی میں بنی اسرائیل کو قریبا چار سو سال تک مصر میں مقیم رہنا پڑا، قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کئے، اس اجنبی رعایا کے تباہ و برباد کرنے میں اُنہوں نے کوئی کسر اوٹھا نہیں رکھی، اور اس طرح اللہ کی زمین، فراخی و وسعت کے باوجود اس قوم پر تنگ ہوگئی، تا آنکہ مالک السموات والارض کے ہاتھ نے حرکت کی، اور ایک ہی آن میں فراعنہ مصر کی ظالمانہ حکومت کا خاتمہ کر دیا، اور آیندہ کے لئے یہہ قانون بنا دیا کہ جب کبھی کوئی فرعون اس کرہ ارضی کی پشت پر نمودار ہوگا، تو اُسکو سمندروں میں غرق کرنے کے لئے فوراً ایک موسیٰ پیدا کر دیا جائیگا، جو اس کو آناً فاناً تباہی کے سمندر میں غرق کر دیگا، دنیا اس وعدۂ الٰہی کے ماضی کو دیکھ چکی ہے، مگر مستقبل کو دیکھنا باقی ہی، وکان وعدا مفعولا۔

فرعون نے اِس قوم پر جو مظالم کیے، ان کی الم انگیز داستان تو بہت طویل ہی، اور ایک مبسوط تصنیف کی محتاج ہی مگر ہم نے فی الحال قرآن حکیم کے چند مقامات کو درس و فکر کے لئے چن لیا ہی کہ ان سے استنباط و استخراج نتائج کیا جائے، اور ارباب فہم و بصیرت ان نتائج و عبر کو آویزۂ گوش بنائیں۔

قومیت متحدہ کی ضرورت

اقوام عالم کی موت و حیات، ترقی و تنزل، تسلط و تنزع، اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب ہیں، ان میں سب سے اہم و اعظم ترین اتحاد و اشتراک عمل ہی، قوم کے تمام افراد اپنے آپ کو ایک ہی جسم کے اجزائے مختلفہ یقین کریں، سب کا مقصد

ایک ہی ہو، اسی کا عشق دامن گیر ہو، اور اسی کی محبت کی زنجیریں سب کے پاؤں میں ہوں، مریں تو اسی کے لئے، اور زندگی ہو تو اسی کی خاطر:-

پیکرش از قوم و ہم جانش ز قوم
ظاہرش از قوم و پنہانش ز قوم!

قرآن حکیم نے جابجا اتحاد و اجتماع کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور اصل قرار دیا ہے، اس نے سب سے پہلے عرب کو، اور پھر تمام دنیا کو ان الفاظ میں مخاطب کر کے فرمایا:-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ص واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ج (۳ : ۹۸)	سب مل جل کر، اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں، اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کئے گئے، تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا، اور اکٹھا کر دیا، پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔

شارع علیہ السلام نے اسی بنا پر اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا، اور علیحدگی کو جاہلیت سے تعبیر کیا:-

من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاہلیۃ	جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گیا، اور اس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا، پھر اسی حالت میں بغیر توبہ

کے مرگیا تو اس کی موت، جاہلیت کی موت ہوئی۔

ترمذی میں ہے :۔

من فارق الجماعة شبرا فكانما خلع ربقة الاسلام عن عنقه	جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا، اوسکا حکم یہ ہے کہ گویا اُس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے :۔

عليكم بالجماعة، فان الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين ابعد	جماعت سے الگ نہ ہو، ہمیشہ جماعت بنکر رہو، کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا، تو شیطان اس کا ساتھی ہوگیا، دو انسان بھی ملکر رہیں تو شیطان اُن سے دور ہے، ان میں اتحادی جماعتی قوت پیدا ہوگئی، اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔

اسی طرح عليكم بالسواد الاعظم، اور فانه من شذ، شذ فی النار اور يد الله على الجماعة، اور لا يجمع الله امتى على الضلالة اس بارے میں مشہور و معروف، اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

نماز میں التزام جماعت پر زور دیا، اهدنی کی جگہہ پر اهدنا الصراط المستقيم فرما کر بتا دیا کہ قرآن کے نزدیک فرد، اور فرد کی ہستی کوئی شئے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، جمعہ و عیدین کو اگر حقیقت بیں نظر سے دیکھئے تو اتحاد کے سوا اور

کیا ہی، زکوۃ کی غرض وغایت ہی یہی تھی، کہ جماعتی زندگی کے بقا واستحکام کی جانب فرزندان توحید کو متوجہ کیا جاے، شارع نے توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم میں اسی فلسفہ اجتماع کو بیان کیا تھا، حج میں منجملہ اور اسرار ومصالح کے ایک سب سے بڑی غرض ومصلحت یہی ہی، جب ایک شخص نے حضرت رسالت سے دریافت کیا کہ حج کسے کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: الحج عرفة، میدان عرفات میں اجتماع کا نام حج ہی، چنانچہ تمام ائمہ اعلام کا یہی مذہب ہی کہ جو شخص عرفات میں حاضر نہ ہو، اس کا حج نہیں ہوتا۔

ہر ظالم وجابر، اور اجنبی حکومت کی اولین سعی دکوشش یہی ہوتی ہی کہ وہ کسی نہ کسی طرح جائز وناجائز طریقوں سے کام لیکر اپنی رعایا میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دے، ان کے مختلف گروہ بن جائیں، ان میں اس قدر اختلافات پیدا ہوں کہ شب وروز انہیں مبتلا رہ کر ایک دوسرے کو فنا کرنے کی فکر میں رہیں، اگر ایک بھائی ترقی کرنے لگے تو دوسرا اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے ہو، ہر وقت اپنی ہی قوم کے ذبح کرنے کی تجاویز پر غور وفکر ہوتی رہے، اس اختلاف وتفرق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اجنبی حکومت کی بنیادیں مضبوط ومستحکم ہوجاتی ہیں، جو ہر وقت ان مختلف گروہوں کو باہم لڑاتی رہتی ہے، اور ہر ضعیف جماعت کو قوی کے مقابلہ میں بھڑکا کر دونوں کی قوت کو پاش پاش کردیتی ہے۔

اس خانہ جنگی کے باعث رعایا کے دل میں نہ تو کبھی شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور نہ ہی کبھی حریت واستقلال قومی کا انہیں خیال آتا ہے، بلکہ ہر فریق کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ یہی اجنبی حکومت ہمارے ملک پر قابض رہے، اور بیانگ دہل ہر جماعت اپنی کوتاہ فہمی اور کم عقلی کی وجہ سے اس کا اعلان کرتی ہے کہ

ہماری زندگی صرف اس حکومت کے بقا رو استحکام کے ساتھ وابستہ ہے، اس لئے تمام جماعتیں اپنے اپنے طور پر اس کے قیام کی خاطر، ہر قسم کی غداری اور ملت فروشی کی مرتکب ہوتی ہیں، اور نہیں دیکھتیں کہ وہ دراصل اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہی ہیں، قدرت کی جانب سے ہر قوم کو جارحانہ اور مدافعانہ قوت و طاقت نوازش کی جاتی ہے، کہ حسب ضرورت اس کو غیروں کے مقابلہ میں صرف کیا جائے، لیکن آہ ثم آہ! اختلاف کے وقت یہی چیز اپنے بھائیوں کو غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑ دینے کے لئے صرف کی جاتی ہے فیا للاسف و یا للعار!

اپنے حقوق کی نگہداشت، حریت حقہ کی حفاظت، اور ارتقاے ملت کا خیال دل سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے، اجنبی حکومت خواہ کیسی ہی ظلم و جور کرنے والی، اور ناانصاف و مفسدہ پرداز ہو، جس کے مظالم روز روشن کی طرح الم نشرح ہو چکے ہوں، اور جس نے کبھی اپنے عہد کی پابندی نہ کی ہو، اختلاف و تفریق کے وقت اسی کو رحمت الٰہی قرار دیا جاتا ہے، خوشامد، چاپلوسی، اور تملق کے جذبات خبیثہ ان بدبختوں کی تمام انفرادی و اجتماعی زندگی کو فنا کر دیتے ہیں۔

سورۂ قصص، ان حقیقتوں کی جانب ہماری یوں رہنمائی کرتی ہے:-

ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طایفة منهم یذبح ابناءهم ویستحیی نساءهم انه کان من المفسدین، (۲۸ : ۳)	فرعون ملک مصر میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دیے تھے، ان میں سے ایک گروہ یعنی بنی اسرائیل کو اس قدر کمزور سمجھ رکھا تھا کہ انکے بیٹوں کو ذبح کروا دیتا، اور ان کی عورتوں کو

| زندہ رکھتا، اس میں شک نہیں کہ وہ بھی فسادیوں میں سے ایک فسادی تھا۔

اس آیت میں فرعون کے چند مظالم بیان کئے گئے ہیں:۔
(الف) بنی اسرائیل کے سپاہیانہ جذبات کو فنا کرنے کے لئے فرعون نے سیاسی فریب اور مکاری کے ذریعہ اس میں بغض و عداوت، پھوٹ و نفاق اور باہمی انتقام کے امراض پیدا کر دیے، ان کی جمعیت کو توڑ دیا، ان کی قومیت کو فنا کر دیا، اور ان کی اجتماعی قوت کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، یہی مسئلہ توازن ہے، اور اسی کو انگریزی میں (Balance of Power) کہتے ہیں۔
جب ایک قوم اختلافات و منازعات باہمی کا شکار ہو جائے، تو اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے، اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ غلامی اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا جاتی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم پر خدا کی لعنت طاری ہوتی ہے تو وہ غلامی اور محکومی ہی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتی ہے، مفسرین کرام نے ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس کی یہی تفسیر کی ہے، اور وھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم کا یہی مطلب ہے۔
سورہ انفال میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا	اللہ، اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں

تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم، (۸ : ۴۶)	جھگڑا نہ کرو کہ آپس میں جھگڑا کرنے سے تم ہمت ہار دو گے، اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائیگی۔

(ب) فوجی طاقت۔ جب بنی اسرائیل میں مختلف جماعتیں پیدا ہوگئیں، تو اب فرعون کو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ چونکہ اس قوم میں ابھی تک کچھ لوگ بیدار دماغ، متحرک اعصاب، اور مضطرب دل رکھتے ہیں، اور سیاست کی چھپی ہوئی چالوں کے زہر آلود اثر کو محسوس کرتے رہتے ہیں، اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیا جاسے، نہ لڑکے زندہ رہینگے نہ ان میں حریت واستقلال قومی کے خیالات پیدا ہونگے، صبر واستقامت، ہمت وجوانمردی، اور جوش فداکاری وسرفروشی یک قلم نابود ہو جائیگا، لڑکوں ہی سے فوج بنتی ہی، جو ہتیار سنبھالتی ہے، اور دشمنوں کے ساتھ میدان جہاد وقتال گرم کرکے اپنے حقوق کی حفظ ونگہداشت کرتی ہے، قتل کرنے سے لڑکوں کا نام ونشان باقی نہ رہیگا، فوجی طاقت فنا ہو جائیگی، حکومت کو رعایا کی جانب سے کسی قسم کا خوف وخطر باقی نہ رہیگا، اور اس طرح یہ لوگ بے دست وپا ہو کر اس ظالمانہ حکومت کے ہاتھ میں آلۂ بیجان بن جائینگے، اور اپنی فطری حرکت کو چھوڑ کر اس کے اشاروں پر چلیں گے۔

اس ظلم وجور، اور قہر واستبداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی فوجی طاقت پر عالم ممات طاری ہو گیا، اور آن واحد میں نشو وارتقا سے رک گئی۔

(ج) قلت افراد۔ لڑکوں کے ذبح کرنے سے فرعون کے پیش نظر ایک یہ چیز بھی

تھی کہ بنی اسرائیل کی آبادی روز بروز کم ہوتی جائے، تاکہ بتدریج ان کی ترقی کی تمام راہیں بند ہو جائیں، اور کچھ مدّت کے بعد ان کا نام و نشان بحیثیت قوم کے حرفِ غلط کی طرح دنیا سے محو و باطل ہو جائے۔

(د) اخلاقی قوت۔ قوم، عبارت ہی اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے، رسولِ عربی نے اپنی بعثت کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان فرمائی:۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق	میں عمدہ ترین اخلاق کی تکمیل و اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

قوموں کی بنیاد، مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً:۔

اِس کے افراد آپس میں مِل جُل کر، اور جماعت بن کر رہیں۔
سپاہیانہ جذبات، اور جنگجویانہ احساسات رکھتے ہوں۔
فضائلِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سے آراستہ ہوں۔

فرعون نے لڑکوں کو ذبح کیا کہ بنی اسرائیل کی لڑکیاں آزادانہ عصمت فروشی کریں، ان کی اخلاقی قوت برباد ہو، ہر گلی اور کوچہ میں فاحشہ عورتوں کے چکلے ہوں جن کی نگرانی خود ارکانِ حکومت کے ذمّہ ہو، انہیں کی سرپرستی و ولایت میں بدعملی و بدکرداری کا بازار گرم ہو، اور اس بدبخت قوم کی ہر لڑکی، حاکم سے سندِ اجازت لیکر بازار میں اپنے حُسن و جمال کی نمائش کر سکے، فوجی لوگ بغیر کسی ظاہری رکاوٹ کے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو پورا کر سکیں، اور اگر ارکانِ حکومت کو دوشیزہ اور نوجوان لڑکیوں کی تلاش و جستجو ہو تو آسانی سے مل سکیں۔

یہ مظالم آپ کے سامنے ہیں، ان کو دیکھئے، اور پھر گہری نظر سے دیکھئے۔ فرعون کیا چاہتا ہے؟ یہ کہ :۔

قوم حریت و اجتہاد فکر سے محروم رہے۔

مذہب و اخلاق سے اجنبی، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو۔

اپنے آبا و اجداد کے روشن کارناموں کو فراموش کر دے، اور قومی روایات سے دور جا پڑے۔

غلامی اور محکومی کی بوجھل بیڑیاں اس کے پاؤں میں ہمیشہ کے لئے رہیں۔

اپنی قوم کی آزادی کے خیال سے محروم ہو کر غلامی پر قناعت کر لے۔

اپنے تمام اوقات بیکاری میں صرف کرے، اور اس میں سستی و کاہلی پیدا ہو۔

جسم و جان کمزور و ناتواں ہوں۔

منافقت، بدعہدی، اور دناءت نفس کا شکار ہو۔

مولانا اکبر مرحوم نے اپنے انداز خاص میں فرمایا ہے :۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی!

ارباب بصیرت خوب سمجھتے ہیں کہ مولانا نے کس طرح اس آیت کے نتائج و ثمرات کو اس شعر میں بیان کر دیا ہے جن کا آجکل تہذیب و شائستگی کی دنیا میں ارتکاب ہو رہا ہے۔

اسباب حیات کا فقدان

جس قوم کے قبضہ میں سامان حرب ہو، جو آلات جنگ کے استعمال سے واقف ہو

اور ہمیشہ رزم گاہوں میں شریک ہوتی ہو، وہی قوم زندہ رہتی ہے، اسی کے قبضہ و اقتدار میں ہر قسم کی طاقت ہوتی ہے، وہی حاکمانہ طور پر زندگی بسر کرتی ہے، اور کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ اس کے مقابلہ کا خیال بھی دل میں لاسکے، تمام دوسری قومیں مجبور ہوتی ہیں کہ اس کے ہر فرمان کے آگے اپنی گردنیں خم کردیں:۔

وننکر ان شئنا علی الناس قولهم
ولا ینکرون القول حین نقول!

زمین و آسمان کی ہر چیز زندہ رہنے کی سعی و کوشش میں مصروف رہتی ہے" یہی تنازع للبقاء ہے" اور اس کشمکش میں صرف اسی کو دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے جس میں قوت و طاقت ہو" اور اس لئے اصلح و امثل ہو، یہی بقائے اصلح ہے، اور اسی کا دوسرا نام انتخاب طبعی ہے ۔

ٹھیک اسی اصول کے مطابق قرآن حکیم نے اس کشمکش حیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :۔

ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا، (۲: ۲۱۴)	یہ کفار سدا تم سے لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کردیں ۔

اس تصادم اور باہمی جنگ و جدل کا علاج قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا :۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوکم وآخرین من	اور مسلمانو! سپاہیانہ قوت سے، اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے، جہاں تک تم سے ہوسکے کافروں کے مقابلہ کے لئے سازوسامان

دونہم ج لا تعلمونہم ج اللہ یعلمہم ط (۸ : ۶۲)

مہیّا کیے رہو، کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر، اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے اور نیز ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، اور اللہ اُن کے حال سے خوب واقف ہے۔

اور یہ دائمی حکم نافذ کر دیا کہ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ، اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے، اور ایک خدا کا حکم چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی یوں تفسیر کی :۔

الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔

مسلمانوں کے بقا و قیام کے لئے ضروری ہے کہ وہ فریضہ جہاد سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں، اور یہ فرض دائمی ہے کسی کے روکے نہیں رُک سکتا۔

جب صحابہ کرام کی ایک جماعت میں یہ گفتگو ہوئی کہ ای الاعمال احب الی اللہ، ساری نیکیوں اور عبادتوں میں سب سے زیادہ کونسا عمل، اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے، تو اس کے جواب میں سورۂ صف نازل ہوئی، جس میں فرمایا :۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص

اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں، گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے، اور یہ دیوار بھی کیسی؟ ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے

| سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و برتری کے لئے صرف یہی ایک حدیث بس کرتی ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ ختم نبوت کے اعلیٰ ترین مرتبہ کے باوجود، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں :۔

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا، ثم اقتل!	خدا کی قسم، اگر ممکن تھا تو میں یہ چاہتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں، تاکہ اس کی راہ میں جان دینے کی لذت و سعادت ایک ہی مرتبہ میں ختم نہ ہو جائے۔

تمنت سلیمی ان نموت بحبھا
واھون شئ عندنا ما تمنت!

اگر کسی قوم کو فنا کرنا منظور ہو تو اس کی بہترین و آسان ترین صورت یہی ہے کہ اس سے آلات حرب چھین لئے جائیں، ہر قسم کے سامان جنگ کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے، اور قانونی طور پر اس کی خرید و فروخت بند کر دی جائے، اس طریق عمل کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ تمام قوم خود بخود بیدست و پا ہو جائیگی، اس کی بہادری کے تمام جذبات حقہ پر عالم ممات طاری ہو جائیگا، پھر اس قوم کے کروڑوں افراد ہونگے جو بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ سے زیادہ حقیقت نہ رکھتے ہونگے، ایک اجنبی الشان

ہوگا جو ان لاکھوں جانوروں پر حکومت کرتا ہوگا، رعب و ہیبت کا یہ عالم ہوگا کہ حاکم کا نام سنتے ہی کانپ جائینگے۔

ہر وہ حکومت، جس کی بنیاد ظلم و جور، جبر و استبداد، اور قہر و غلبہ پر ہو، جو دلوں کی بجائے جسموں پر فرمانروائی کرتی ہو، جس کے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ محض تاجرانہ اصول پر مبنی ہوں، وہ ہمیشہ اسی قانون کی بناء لیتی ہے، اور اپنی ماتحت اجنبی رعایا سے ہر قسم کا سامان جنگ چھین لیتی ہے، قرآن حکیم ان حقائق عالیہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے:-

واذ نجینٰکم من اٰل فرعون یسومونکم سوء العذاب، (۲ : ۴۶)	اور اس وقت کو یاد کرو، جب ہم نے تمکو فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تم کو بڑی بڑی تکلیفیں پہونچاتے تھے۔

اس بدترین عذاب کی تفسیر میں حسب ذیل امور داخل ہوسکتے ہیں جو بطور اعتبار کے اس آیت سے مستنبط ہوسکتے ہیں:-

(الف) فرعون نے بنی اسرائیل سے آلات حرب چھین لئے اور اب وہ اپنی فطری حرکت کو چھوڑ کر حکام کے اشاروں پر چلتے، انہیں کی کہتے، اُنکے احسانات کی یاد سے ان کی زبانیں مترنم اور نغمہ سنج رہتیں، چونکہ غلامی و محکومی کی وجہ سے تمام قوتیں بیکار ہوجاتی ہیں، اسلئے وہ دیکھتے تو ان کی آنکھوں سے، سنتے تو ان کے کانوں سے، اور غور و فکر کرتے تو انہیں کے القائے شیطانی کے مطابق، سچ ہے فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور، جو لوگ غلام و محکوم ہوتے

ہیں'' ان پر ہر اعتبار سے یہ آیت صادق آتی ہے:- لھم قلوب لا یفقھون بھا، ولھم اعین لا یبصرون بھا، ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل، اولٰئک ھم الغفلون

(۷: ۱۷۸)

(ب) فرعون تمام جلیل القدر عہدوں کو اپنی قوم کے لئے مخصوص کر لیتا، اور بنی اسرائیل کو نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ ترین کاموں کے لئے مجبور کرتا۔
"مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی، اور انہوں نے سخت محنت سے گارا، اور اینٹ کا کام، اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کرواکے ان کی زندگی تلخ کی، ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے مشقت کی تھیں'' (خروج ۱: ۱۳ و ۱۴)
(ج) اگر قدرتی اسباب و ذرائع کی فیاضی سے ملک کی زرعی حالت قابل اطمینان ہوتی تو مصنوعی قحط ڈال کر گرانی پیدا کر دی جاتی۔
(د) کام کی اس قدر کثرت ہوتی کہ صبح سے شام تک لگاتار مصروف رہنے کے باوجود پھر بھی کم ہونے میں نہ آتا، کثرت کار اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے ان کی دماغی قوتیں بیکار ہو جاتیں، جسمانی طاقت سے ہاتھ دھو بیٹھتے، آنکھوں کی قوت جاتی رہتی، کان بہرے ہو جاتے، اور مسائل ملکی میں کبھی درس و فکر کا موقعہ نہ ملتا، :- "تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو کہ وہ کاہل ہیں، اس لئے وہ نالہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں جانے دو کہ ہم اپنے خدا کے لئے قربانی کریں، اور ان کا کام بڑھا دیا جائے تاکہ

اس میں مشغول رہیں، اور بیہودہ باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوں" (کتاب خروج، ۵: ۸ و ۹)

بیگار

چونکہ بنی اسرائیل غلام و محکوم ہونے کی وجہ سے بالکل بے دست و پا ہو گئے تھے، ان کو بیگار کے لئے پکڑا جاتا، ان سے کام لینے میں جبر و ظلم روا رکھا جاتا، کوشش کی جاتی کہ انہیں کسی قسم کا آرام نہ ملے، اوّل تو انہیں مزدوری ہی نہ ملتی، اور اگر ملتی بھی تو برائے نام :-

ودخل المدينة على حين غفلة من اهلها فوجد فيها رجلين يقتتلن ز هٰذا من شيعته وهٰذا من عدوه (۲۸ : ۱۴)	اور ایک ایسی حالت میں جبکہ تمام شہر غافل تھا، موسیٰ شہر میں آئے اور دو آدمیوں کو دیکھا کہ لڑ رہے ہیں، ان میں ایک موسیٰ کی قوم کا تھا، اور دوسرا اس کے دشمن کے گروہ کا۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکام کو جب کبھی کوئی کام کرانا ہوتا تو بنی اسرائیل کے لوگوں کو زبردستی بیگار میں پکڑ لیتے، جانوروں کی طرح ان کے ساتھ سلوک کرتے، چنانچہ وہ بنی اسرائیلی اسی لئے موسیٰ کو دیکھکر چیخ اٹھا تھا: "اور ان دنوں میں یوں ہوا کہ جب موسیٰ بڑا ہوا، تو اپنے بھائیوں کے پاس گیا، اور ان کی مشقتوں کو دیکھا، اور دیکھا کہ ایک مصری، ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا مار رہا ہے" (خروج، ۲: ۱۱ و ۱۲)

حاکم قوم کے تمام افراد تو اپنا وقت آرام سے گزارتے، مگر ان بنی اسرائیلیوں کے لئے آرام کی صورت نہ تھی، ان کا تمام وقت پیٹ پالنے کی خاطر روٹی کمانے میں صرف ہوتا، اور ہر قسم کی ذلت و رسوائی، اور تکلیف و مصیبت برداشت کرتے۔

اپنی قومی حکومت کے گھمنڈ میں حاکم قوم، بنی اسرائیل کے ہر فرد کو اپنا زرخرید غلام خیال کرتی، اسے یقین تھا کہ سرزمین کنعان کا یہ مجبور گلہ صرف اسی لئے دیا گیا ہے کہ چارپایوں کی طرح اس کے آگے جھکے، اس لئے وہ جسکو چاہتی جان سے مار ڈالتی، نہ تو ان مظالم کی باز پرس کرنے والا کوئی تھا اور نہ کوئی ایسی عدالت تھی، جہاں بنی اسرائیل مرافعہ کرسکتے۔

زاویہ نگاہ کا فرق

حقیقت یہ ہے کہ جب ایک انسان اپنے شرف و مجد کو اپنی ہی غلط کاریوں کی بنا پر کھو بیٹھتا ہے، اپنی فطرت صالحہ کو فراموش کردیتا ہے، اور اپنی فضیلت و برتری کو ضائع کردیتا ہے جو اسے تمام کائنات ارضی و سماوی پر نوازش کی گئی تھی تو اس کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ بدترین خلائق بن جاتا ہے، تمام عزتیں اور بزرگیاں اس سے چھین لی جاتی ہیں، اور وہ ذلت و رسوائی کے لئے وقف ہوجاتا ہے۔

قرآن حکیم نے انسانی بزرگی و فضیلت پر مختلف مقامات میں نہایت تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اور بتایا ہے، کہ انسان اشرف ترین مخلوقات ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں آتا ہے:۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰہم فی البر والبحر ورزقنٰہم من الطیبٰت وفضلنٰہم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا ٥ (۱۷ : ۷۲)	اور ضرور ہم نے انسان کو عزت دی ہے، اور خشکی اور تری میں انکو سوار کرکے پھرایا، ان کو سفر کرنے کے وسائل سجھائے، اور الوان نعمت سے ان کا رزق مقرر کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو شرف بخشا۔

شرک و بت پرستی کی ممانعت صرف اسی لئے کی گئی ہے کہ انسان جب سب سے اشرف و اعلیٰ ہے تو وہ کیوں خدائے برتر کے سوا کسی اور چیز کے آگے جھکے جو رتبہ میں اس سے کم تر ہے، جس وقت بنی اسرائیل نے ایک قوم کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھکر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے تاکہ اُسکے آگے جھکیں تو موسیٰ نے اسی فضیلت و شرافت انسانی سے استدلال کرکے جواب دیا تھا کہ تم زمین و آسمان کی ہر چیز سے افضل و اعلیٰ ہو، اس لئے تمہیں اللہ کے سوا کسی دوسری چیز کے آگے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

قال اغیر اللہ ابغیکم الٰھا وھو فضلکم علی العٰلمین، (۷ : ۱۳۶)	موسیٰ نے کہا کہ میں تمہارے لئے اور معبود ڈھونڈ لاؤں؟ حالانکہ اُس نے تمہیں تمام عالم پر فضیلت و بزرگی عنایت کی ہے۔

سورۂ والتین کا تو موضوع ہی یہی ہے کہ وہ انسان کی بزرگی کا اعلان عام کردے اور بتا دے کہ جبکہ دنیا کے تمام فلاسفہ اور حکما انسانی شرف و مجد کو معلوم کرنے سے عاجز رہے تو لسان الٰہی نے اس حقیقت مستورہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ہم نے انسان کو بہترین حالت عدل پر پیدا کیا ہے، عدل ہی خیر کی حقیقت ہے، اور وہ صرف شرف و عظمت ہی کے لئے ہے وہی خیر البریہ ہے، یہی وہ خصوصیت کبریٰ تھی جس کی بنا پر آدم کو ارض الٰہی کی خلافت نوازش کی گئی، اور یہی سبب تھا کہ وہ مسجود ملائکہ قرار پایا:۔

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است!

مگر جس وقت وہ اس حقیقت کو گم کر دیتا ہے، اخلاق و اعمال کی گندگی اور ناپاکی اسکے عقائد و یقینیات کے چشمہ صافی کو متعفن و بدبودار بنا دیتی ہے، اس کی فطرت صالحہ کا آئینہ طوفانوں اور آندھیوں سے گرد آلود ہو جاتا ہے، اور اپنی بزرگی و برتری کو کھو بیٹھتا ہے تو پھر جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی نسبت قرآن نے اعلان کیا: لہم قلوب لا یفقہون بہا ز ولہم اعین لا یبصرون بہا ز ولہم اذان لا یسمعون بہا ط اولئک کالانعام بل ھم اضل ط اولئک ھم الغفلون، (۷: ۱۷۸) یہی الاعمی، شر البریہ، اصحب النار، اور الذین نسوا اللہ فانسا ھم انفسہم ہیں، اور ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارھم غشاوۃ بھی ایسے ہی لوگوں کی نسبت کہا گیا ہے۔

اس غلامی و محکومی کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ ان محکوموں کی عقل جانوروں سے بھی کم ہو جاتی ہے، اور اس وقت ہر ایک شخص بغض و حسد کا پتلا بن جاتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ میں تو اس ذلت و رسوائی میں رہوں، اور میرا دوسرا بھائی ترقی کر جائے اسلئے وہ اس کو فنا کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے، سورۂ مائدہ میں ہابیل و قابیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اور اس سے یہی دو باتیں بیان کرنی مقصود ہیں جن کا ہمنے اوپر ذکر کیا، قابیل اپنے بھائی ہابیل کو صرف اسلئے قتل کرتا ہے کہ جب میری قربانی کو شرف قبول نہیں بخشا گیا تو اس کو یہ عزت کیوں نوازش کی گئی، مگر قتل کے بعد حیران و پریشان ہو کر پھرتا ہے، اُسے کچھ نہیں سوجھتا کہ اب لاش کے ساتھ کیا سلوک کرے، ایک کوّا آکر اس کو دفن کرنے کی ترکیب بتاتا ہے، اس پر قابیل کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور وہ بعد

حسرت وندامت پکار اٹھتا ہے:-

یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوأۃ اخی ج فاصبح من النادمین ' (۵ : ۳۴)	کیا میں ایسا گیا گذرا ہوا کہ بلا سے اس کوّے ہی جیسا ہوتا، تو اپنے بھائی کی فضیحت یعنی لاش کو چھپا دیتا، الغرض وہ اپنے کیے پر بہت ہی پشیمان ہوا-

وہ غلامی ومحکومی کو دنیا کی انتہائی عزت و سربلندی خیال کرتا ہے، اسی پر قانع رہتا ہے، اگر حریت وآزادی کے لیے سعی وکوشش کیجائے، تو کفر وارباب کفر کی حکومت کے قیام وثبات کی خاطر اس تحریک استقلال کی مخالفت کرتا ہے، اسکا مطمح نظر دولت وثروت کی تلاش، اور اس کا مقصد اصلی عزت وجاہ، اور خطابات کی جستجو ہوتی ہے، اگر ارباب دجل وشیطنت کی طرف سے کبھی مروّت واحسان، اور احترام واکرام دیکھتا ہے تو اس کو اپنی کائنات حیات، اور سرمایہ افتخار وناز خیال کرتا ہے، وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو متروک ومہجور کرکے غیروں کی دوستی پر اتراتا ہے، اللہ تعالے نے ان لوگوں کی نسبت فرمایا:-

بشر المنفقین بان لھم عذابا الیماً الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المومنین ط ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا ٥ (۴ : ۱۳۷ و ۱۳۸)	منافقوں کو خوشخبری سنادو کہ ان کو دردناک عذاب ہونا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا کافروں کے ہاں اپنی عزت بڑھانا چاہتے ہیں؟ سو عزت تو ساری اللہ کی ہے -

قوم کی جلاوطنی

رعایا کی انتہائی غربت وناداری، اور ذلت ونکبت، حاکم قوم کے دل میں نفرت وحقارت کے جذبات خبیثہ پیدا کر دیتی ہے، پہلے وہ اگر صرف ان لوگوں کی دشمن تھی جو اپنی عاجز ودرماندہ، اور محکوم قوم میں حق وحریت کا احساس پیدا کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں، اور اس سعی وکوشش میں اپنی تمام زندگی صرف کر دیتے ہیں، تو اب جبکہ تمام قوم میں حس وبیداری نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگتی ہے تو وہ ان سبکو فنا کرنے کی فکر میں لگ جاتی ہے، اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بن پڑے تو تمام قوم کو اس سرزمین سے نکال باہر کرے، گھر سے بے گھر ہو کر فقیروں کی زندگی بسر کرے، اور بتدریج اس کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے:۔

فاراد ان یستفزھم من الارض (۱۷: ۱۰۵)	پھر فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو کسی طرح ملک سی اکھیڑ دے کہ رہنے نہ پائیں۔

مگر اس کے ارکان سلطنت نے ایسا کرنے سے روکا، اور کہا کہ اگر یہ لوگ چلے گئے تو جس قدر ادنیٰ اور معمولی درجہ کے کام ہیں، وہ بھی ہم ہی لوگوں کو کرنے پڑینگے، اس لئے ان کی جلاوطنی قرین عقل وانصاف نہیں، بلکہ انہیں سرزمین مصر ہی میں رہنے کے لئے مجبور کیا جائے، اور ہماری کوشش یہی ہو کہ وہ ہمیشہ غریب ونادار ہی رہیں، اس پر فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا: "دیکھو، بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں، آؤ ہم ان سے دانشمندانہ معاملہ کریں، تا نہ ہووے کہ جب وہ اور زیادہ ہوں، اور جنگ پڑے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل جاویں، اور ہم سے لڑیں، اور ملک سے نکل جائیں، اسلئے انہوں نے ان پر خراج کے لئے محصل

بٹھلا دیے تاکہ انہیں سخت کاموں کے بوجھوں سے ستا دیں۔"

(خروج ۱: ۹ و ۱۰ و ۱۱)

خارجی تعلقات

بنی اسرائیل مدت ہائے دراز سے فرعون کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں، اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی کے غلام و محکوم رہیں، جبر و استبداد سے اپنے آپ کو بادشاہ اور خدا تسلیم کرانا چاہتا ہے، اس کا مقصد حیات یہی ہے کہ یہ عاجز و درماندہ جماعت اسی کی چوکھٹ پر سر دھرے، اسی کے آگے دست سوال دراز کرے، کسی بیرونی طاقت، اور خارجی حکومت سے اپنے تعلقات و روابط نہ رکھے، اسے یہ اندیشہ تھا کہ بلاد اجنبیہ سے رشتۂ مودت جوڑ کر یہ کہیں میرے برخلاف فتنہ نہ کھڑا کر دے، ممالک خارجہ کے حالات و واقعات سن کر اس میں جوش و ہیجان پیدا ہوگا، آزادی کے خیالات، اور استقلال قومی کے جذبات سے معمور ہو کر اس ظالم و جابر حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیگی، چنانچہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی جانب سے بھیجا گیا ہوں کہ اپنی قوم کو تمہارے پنجۂ قہر و ظلم سے نجات دلواؤں، تو اس نے چھوٹتے ہی کہا:-

لئن اتخذت الھا غیری لاجعلنك من المسجونین، (۲۶: ۲۸)	اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تجھ کو قیدیوں میں لے جا کر داخل کر دوں گا۔

اس سے فرعون کا یہی مقصد تھا کہ میرے سوا کسی اور خارجی طاقت سے تعلق نہ رکھیں، اور نہ اس کو اپنا مذہبی امام و پیشوا تسلیم کریں، پھر اس نے اسی پر قناعت نہ کی

بلکہ اس قوت کو فنا کرنے کے لئے ہر قسم کی تیاری شروع کردی، اور دوسرے لوگوں کو بھی تیاری کا حکم دیا، اسے یقین تھا کہ جس طاقت سے موسیٰ نے اپنا رشتہ قائم کیا ہے، وہ کمزور و ناتوان ہے، اور اسلئے اس کو آسانی کے ساتھ تباہ کیا جاسکتا ہے، چونکہ اس طاقت کی جلالت قدر، اور کبریائی سے واقف نہ تھا، اس لیئے اُس نے نہایت ہی تمسخرانہ انداز میں اپنے وزیر سے کہا :۔

فاوقد لی یٰھامٰن علی الطین فاجعل لی صرحا لعلّی اطّلع الیٰ الٰہ موسیٰ لا و انی لاظنہ من الکذبین واستکبر ھو وجنودہ فی الارض بغیر الحق وظنّوا انّھم الینا لا یرجعون' (۲۸ : ۳۸ و ۳۹)

اے ہامان ! اچھا تو ہمارے لئے مٹی کی اینٹوں کو آگ لگا، پزاوے پکوا، ان سے ہمارے لئے ایک پکا محل بنوا، تاکہ ہم اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو جھانکیں، اور ہم تو اس دعوے میں موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں، اور فرعون، اور اُس کے لشکروں نے ناحق ملک میں بہت سر اٹھایا، اور انہوں نے ایسا سمجھا کہ وہ ہماری طرف لوٹا کر نہیں لائے جائینگے۔

دنیاداروں، مادّہ پرستوں اور ظالم وجابر حکومتوں نے روحانی طاقتوں کے اثر ونفوذ، اور ثمرات ونتایج کے اندازہ کرنے میں ہمیشہ غلطی کی ہے، جس وقت نوح کو کشتی بناتے وقت ان کی قوم نے للکارا ہے، اور ان پر استہزا کیا ہے تو وہ بھی اسی غلطی میں مبتلا تھی، ابراہیم کو آگ میں ڈالتے وقت نمرود بھی اسی کا شکار ہوا تھا، فرعون بھی اسی وادی کا ایک رہ نورد تھا، عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے جانا، یہ بھی اسی غلط فہمی کا ایک نتیجہ تھا جس میں یہودی مبتلا تھے، اور کفار مکہ بھی اسی کوتاہ فہمی

کے مرتکب ہوئے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے بدر کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

یہ واقعات، جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ایسے نہیں جن سے ارباب دجل و شیطنت ناواقف ہوں، اس کرہ ارضی کے تمام ذرات، دریاؤں اور سمندروں کی مچھلیاں، اور آسمان کے چمکتے ہوئے نجوم و کواکب ان باتوں کو جانتے ہیں، ہر قوم و ملت کے پاس ان حوادث کی پوری تفصیل موجود ہے، اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی دنیا کی جابرانہ طاقتوں نے روحانی قوتوں کا مقابلہ کیا ہے تو سچائی نے باطل کو ہمیشہ شکست دی ہے، اور دائمی طور پر حق ہی کو غلبہ حاصل ہوا ہے: ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ ط فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون ۃ والذین کفروا الی جھنم یحشرون" (۸: ۳۶)

جس آیت سے ہم نے اس عنوان کے لئے استدلال کیا تھا، اس پر دوبارہ نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فرعون کیا کر رہا ہے:-

(الف) جو لوگ ملک اور قوم کی خدمت کرتے تھے، وہ اُن کو غلط کار، فریبی، مکار اور جھوٹا قرار دیتا ہے۔

(ب) ان لوگوں کی خدمات کی اُس کے دل میں کوئی عزت و توقیر نہیں۔

(ج) فرعون، غرور و تکبر کا پتلا تھا، اور اس کا تمام تر اعتماد اپنی مادی قوتوں پر تھا۔

(د) اُسے خیال تھا کہ اس کے جابرانہ طرز عمل، اور ظالمانہ طریق کار سے حق و حریت کی تحریک رُک جائیگی، جس کی وجہ سے ملک میں شورش پیدا ہو رہی ہے، اور اس کی سلطنت نقصان سے محفوظ رہیگی۔

الزام فساد

فرعون نے دیکھا کہ باوجود ان تمام باتوں کے بنی اسرائیل حریت و آزادی کی تحریک میں برابر حصہ لیتے ہیں، اور موسیٰ کی جماعت میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے تو اس نے تنگ آکر دوسری راہ اختیار کی، جن لوگوں کے دماغ نشۂ حریت سے سرشار اور جذبات قومیت و وطنیت سے لبریز تھے، جو اپنی قوم کو غلامی اور محکومی سے نکال کر آزادی دلانے کے آرزومند تھے، انہیں پاگل اور مجنون کا خطاب دیا کہ اس طرح عوام الناس ان فداکاران ملت اور سرفروشان حریت کے پھندے میں مبتلا نہونگے حضرت موسیٰ نے دربار میں آتے ہی سب سے پہلے یہی مطالبہ کیا تھا کہ :-

ارسل معنا بنی اسرائیل (۲۶ : ۱۶)	تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کردو۔

مگر اس نے آزاد کرنے کی بجائے لوگوں کو مخاطب بنا کر کہا :-

ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون، (۲۶ : ۲۶)	وہ رسول جو تمہاری جانب بھیجا گیا ہے، مجنون ہے۔

لوگوں کی یہ کیفیت ہی کہ پروانہ وار انہیں پاگلوں پر نثار ہوتے ہیں، اپنے اندر حریت و استقلال کی تشنگی محسوس کرتے ہیں، اور ظلم و سفاکی کے دور کرنے کے لئے صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں، دراصل دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ اُسنے ارباب اصلاح و تجدید کو ابتدا میں پاگل کہا ہے، مجنون کا خطاب دیا ہے، جادوگر بنایا ہے، اور مفسد کے نام سے یاد کیا ہے، ناصرہ کے اسرائیلی نوجوان کو جب حکومت کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اس بزرگ و جلیل ہستی کو پھانسی دے تو اس پر جو الزامات لگائے گئے تھے، ان میں اولین الزام ہی فساد تھا، مدین کا پیغمبر جلیل لوگوں کو کم

تولنے سے روکتا ہے مگروہ اسی کو مفسد قرار دیتے ہیں، لوطؑ صرف اسی لئے فسادی تھے کہ وہ اپنی بدبخت قوم کو ایک غیر فطری طریق عمل سے روکتے تھے، رؤسائے قریش کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جرم کے مرتکب تھے، مگر قدوس حق نواز کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ تھوڑی سی مدت کے بعد تمام لوگ اسی مفسد کو اپنا امام وپیشوا تسلیم کرتے ہیں، اور اس ملک کا ایک ایک گوشہ، اور ایک ایک چپہ اس کی فضیلت وبرتری کے آگے جھک جاتا ہے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ لوگ، حکومت کی ان باتوں کی پروا نہیں کرتے، بلکہ ان اعلانات کے ساتھ تمسخر واستہزا کرتے ہیں، اور برابر اس جدید تحریک میں حصہ لے رہے ہیں، تو اس نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ جو تمہاری آزادی اور استقلال کے طالب ہیں، حقیقت میں انہیں تم سے کوئی ہمدردی نہیں، اور تمہاری خیرخواہی ان کے پیش نظر نہیں، بلکہ وہ فساد پھیلانے، بدامنی پیدا کرنے، نظام صالح کو درہم برہم کرنے، قانون کو توڑنے، اور اپنی حکومت قائم کرنے کی غرض سے ان حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان کی نیتوں میں خلوص نہیں، دلوں میں جوش وولولہ نہیں، اور ان کے دماغوں میں افساد فی الارض کے سوا اور کوئی خیال نہیں، اسلئے رعایا کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ان لوگوں سے الگ رہے، اور ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہو، فرعون کہتا ہے :-

ان هذا لسحر علیم، یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون، (۷: ۱۰۶ و ۱۰۷)	یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تم سبکو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے، تو اب تم لوگ کیا صلاح دیتے ہو۔



خیال سے یوں خطاب کرتا ہے :-

ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربه، انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظهر فی الارض الفساد، (۴۰ : ۲۷)	مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو، اور وہ اپنے پروردگار کو اپنی مدد کے لئے بلالے، مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے دین کو الٹ پلٹ کر ڈالے، یا ملک میں فساد نکال کھڑا کر دے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ وہ امن کے پیغمبر، ظلم و جور کو دنیا سے مٹانے والے، اور بنی اسرائیل کو ایک ظالمانہ حکومت سے نجات دلانے والے ہیں، انہوں نے فرعون کے دربار میں آتے ہی اولین مطالبہ یہ کیا کہ ادوا الیٰ عباد اللہ، چاہیئے تھا، کہ وہ حکومت جس نے تہذیب و شائستگی کے پھیلانے، اور علم و فضل کی نشر و اشاعت کے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کئے تھے، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ صرف اس قوم کی فلاح و بہبود، اور نفع و سود کی خاطر جہانبانی و فرماں روائی کر رہی ہے، جس کا ادعا یہ تھا کہ اس پژمردہ قوم کو پھر زندہ کرنا چاہتی ہے، جس کی حکومت مدتوں رہی ہے، اس کی دراز دستی ملاحظہ ہو کہ :-

(الف) جو لوگ قوم کی اصلاح کا بیڑا اوٹھاتے ہیں اُن پر فساد کا الزام لگایا جاتا ہے، اور ان کو مذہب کا بگاڑنے والا، اور رسم و رواج قومی کا تبدیل کرنے والا کہا جاتا ہے۔

(ب) چونکہ حکومت کی بنیاد تمام تر ظلم و جور پر ہے، اس لئے اس کو اپنی تباہی و بربادی کا ہر وقت خوف دامن گیر رہتا ہے، مصلحین کی ہر کوشش کو اپنی تخریب کا باعث خیال کرتی ہے، شب و روز اسی فکر میں غلطاں

ویسی رہتی ہے، اپنے خیالات و افکار سے خطرات و مہالک بن کر نظر آنے لگتی ہیں
جب کبھی ارباب اصلاح کی طرف سے کوئی صدائے حق بلند ہوتی ہے تو اسے یقین
ہوجاتا ہے کہ اب میری بربادی کا وقت آگیا، اور یہ اعلان حریت مجھے فنا کرنے
کے لئے کیا گیا ہے، اس لئے وہ سختی کی راہ اختیار کرتی ہے، اور سر فروشان
ملّت کو قید و بند کی تکلیفیں پہونچاتی ہے، حالانکہ اگر وہ ذرا غور و فکر سے کام لیتی، تو
اُسے معلوم ہوجاتا کہ یہ لوگ فساد پھیلانے کے لئے نہیں، بلکہ امن عامہ کی خاطر اپنی
ہر چیز قربان کر رہے ہیں۔

رفقائے کار کی تعذیب

اگر بعض اسباب و مصالح خفیہ کی بنا پر حکومت ان رہبران ملّت اور مصلحین قوم
پر ہاتھ نہیں ڈالتی تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کو بیدست و پا بنا دیا جائے،
جو لوگ ان کے اعوان و انصار ہیں، ان کو کسی طریق سے الگ کر دیا جائے، انہیں
باہمی کوئی تعلق قائم نہ رہنے، اور اس طرح ان فداکاران حریت کی تمام کوششیں
اکارت جائیں، اس لئے ان کو طرح طرح کی تکالیف دی جاتی ہیں، ان کو گھر سے بے گھر
کیا جاتا ہے، ان کی جائدادیں ضبط کی جاتی ہیں، حبس و زندان کی تاریک کوٹھریوں میں
بند کیا جاتا ہے، گلے میں آہنی طوق ہیں، اور پاؤں میں لوہے کی بوجھل بیڑیاں، اور
اگر اس پر بھی یہ لوگ راہ حق سے منحرف نہ ہوں تو قانون کی سخت گیریاں ہیں، اور
پھانسی کے تختے۔

جب فرعون پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ موسیٰ و ہارون کے گرفتار کرنے سے
ملک میں عام فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو اسکو ارکان سلطنت نے حسب ذیل مشورہ دیا:۔

ارجه واخاه وارسل فی المدائن حشرین، (۷ : ۱۰۸)	موسیٰ اور اُس کے بھائی ہارون کے معاملہ کو اس وقت ملتوی رکھیے، اور اطراف و جوانب کے قصبات میں کچھ ہرکارے روانہ کیجیے ۔

اگرچہ موسیٰ و ہارون کے آزاد رہنے کا ارکان سلطنت نے مشورہ دیا، مگر وہ اس لئے نہ تھا کہ ان کی خیر خواہی مطلوب تھی، نہ اس لئے کہ وہ ان کو تکلیف و مصیبت سے بچانا چاہتے تھے، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ملک میں فساد نہ ہونے پائے، مگر اسی کے ساتھ ان لوگوں کا دوسرا حکم ان الفاظ میں نافذ ہوا۔

اقتلوا ابناء الذین امنوا معه واستحیوا نساءهم ط (۴۰ : ۲۶)	ان لوگوں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ جو لوگ موسیٰ کے ساتھ خدا پر ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو، اور عورتوں کو زندہ رہنے دو ۔

اِس حکم سے فرعون، اور اس کے ارباب مشورت کا یہی مقصد تھا کہ جب یہ لوگ ہمارے اعلانات کی جانب سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتے، تو بہتر ہے انہیں قتل کی دھمکی دیجائے، شاید یہ اشد شدید عذاب ان کی ہمتوں کو پست، اُن کے ارادوں کو کمزور، اور ان کے جوش و ولولہ کو سرد کر دے، مگر جب یہ حکم بھی بیکار ثابت ہوا تو اُس نے نہایت ہی غصہ میں کہا : ۔

فلاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا	تو تمہارے ہاتھ، اور تمہارے پیر، اُلٹے سیدھے کاٹ ڈالوں، اور تم کو کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں تو سہی، اور اب تم کو اچھی طرح

وابقی، (۲۰ : ۷۴) | معلوم ہوجائیگا کہ ہم دو فریقوں میں کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

مگر ان خوفناک اور دہشت انگیز احکام نے ان کے ثبات قدم میں تزلزل پیدا نہیں کیا، وہ اپنے ارادوں پر قائم رہے، وہ نہایت ہی جوش وولولہ، اور عشق ومحبت کے ساتھ آگے بڑھے، اور بیخودانہ ومجنونانہ لہجہ میں فرعون کو عین دربار میں للکار کر کہا:۔

قالوالن نوثرك علی ملجاءنا من البینٰت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض ط انما تقضی ھٰذہ الحیوۃ الدنیا، (۲۰ : ۷۵) | بولے کہ کھلے کھلے معجزے جو ہمارے سامنے آئے ان پر، اور جس خدانے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر، ہم تجھ کو کسی طرح ترجیح دینے والے ہیں نہیں، تو جو کرنے والا ہے کر گذر، تو دنیا کی اسی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے کہ ہم کو عذاب دے یا ہیت کرے تو جان سے مروادے۔

سچائی کی پرستش، اور حق کی حمایت نے کمزور وناتوان لوگوں کو ہمیشہ قوی وطاقتور بنا دیا ہے، پھر وہ حق کی حفظ وصیانت کے لئے باطل کا مقابلہ کرنے کو کھڑے ہوجاتے ہیں، باطل کی طاقت خواہ کیسی ہی زبردست ہو، مگر وہ ان میں ضعف واضمحلال نہیں پیدا کر سکتی، فما وھنوا لما اصابہم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا، پھر وہ لوگ خدا کی راہ میں تکلیف پہونچنے سے نہیں ہارے، اور نہ سست ہی ہوئے اور نہ دب گئے۔ لاتحزن ان اللہ معنا، میں یہی حقیقت مضمر تھی، الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا، پر صرف اس لئے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ وہ باطل پرستارانہ قوتوں، اور فراعنہ ودجاجلہ وقت سے خوف زدہ نہیں ہوتے، ان کو

نہ تو اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اور نہ مال، پھر نصرت الٰہی بھی ان کا ساتھ دیتی ہے، اور کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ کی حقیقت وخفیہ مستبدانہ حکومتوں کے سامنے آشکارا ہو جاتی ہے، اس وقت وہ حق کی قوتوں کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیتی ہیں، مگر درحقیقت ان کی تباہی کا وقت آگیا ہوتا ہے، اس لئے ان سے کہا جاتا ہے کہ:-

الئٰن وقد عصیت من قبل وکنت من المفسدین، (۱۰ : ۹۱)	کیا اب ایسے وقت میں ایمان، اور تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا، اور تو مفسدوں میں کا ایک ہی تھا۔

سنت اللہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے دربار میں آتے ہیں، اور اس سے اپنی قوم کی نجات کا مطالبہ کرتے ہیں، تو دیکھو وہ اکیلے ہوتے ہیں کوئی ان کا یار و مددگار نہیں، فرعون کی حکومت ہی جس کے قہر و استبداد، اور ظلم و جور نے عرش الٰہی تک کو ہلا دیا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کہتا ہے، اور جو اس کو نہ مانے، اُسے موت کے گھاٹ اُتارتا ہے، وہ موسیٰ کے مطالبہ پر استہزا و تمسخر کرتا ہے، ان کو ذلیل، اور اپنے آپکو عزیز و محترم خیال کرتا ہے: ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین ان کو جادوگر اور پاگل کہتا ہے، تمام درباری اس پر ہنستے ہیں۔

اس غربت اولیٰ کا منظر تمہارے سامنے ہے، تمام ملک کو ان کی مخالفت میں اُبھارا جاتا ہے، عوام الناس میں اس کے خلاف جوش پھیلایا جاتا ہے، آہ! تم نہیں دیکھتے کہ فرعون کی تمام باطل پرستارانہ سعی وکوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ملک کس کا

ساتھ دیتا ہے، اور روز بروز کس کے اعوان وانصار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، فرعون ابتدا میں نرمی سے کام لیتا ہے، جب یہ طریق عمل کامیاب ثابت نہیں ہوتا تو سختی کرتا ہے کہ شاید لوگ ڈر کر موسیٰ کا ساتھ چھوڑ دیں، وہ جادوگروں کو دعوت دیتا ہے کہ جلسہ عام میں اس کو ذلیل کریں، مگر وہ، جو بیکسوں کا چارہ ساز، اور آہ نیم شبی کا سننے والا ہے، اس کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ جو لوگ حق کی مخالفت پر کمر باندھ کر آئے تھے، وہی موسیٰ کے دست و بازو بن جاتے ہیں، اور لاکھوں انسانوں کے سامنے اس ظالم و جابر بادشاہ کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں،

یہ سنت اللہ ہے کہ حق کی حمایت کرنے والے ابتدا میں ہمیشہ کم ہوا کرتے ہیں، ان کا ارتقا تدریجی ہوا کرتا ہے، ارباب دولت و ثروت ان کو ذلیل خیال کرتے ہیں مگر انجام کار وہی کامیاب و بامراد ہوتے ہیں، بدء الاسلام غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء، اس حق پرست جماعت کی سچائی اور صداقت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ابتدا میں ضعیف و کمزور لوگ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، اور جو اس حزب اللہ میں داخل ہوتے ہیں، وہ پھر پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے، یہی وہ حقیقت تھی جسکا ہرقل نے ابوسفیان سے گفتگو کرتے وقت اظہار کیا،

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جن لوگوں نے رسول عربی کی سب سے زیادہ مخالفت کی، انجام کار وہی سب سے زیادہ فداکار اسلام ثابت ہوئے، عمرو بن عاص، نجاشی والی حبش کے پاس قریش کا سفیر بن کر جاتا ہے کہ ان مسلمانوں کو حاصل کرلے جو کفار مکہ کی تکالیف و شدائد سے تنگ آکر حبش کی جانب ہجرت کر گئے تھے، چند سال کے بعد ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ والی عمان کے پاس سفیر اسلام بن کر جاتے ہیں، اور

ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی خوش خبری دربار رسالت میں لاتے ہیں، خالد بن ولید، جنگ احد میں کفار کے کمانڈر ہیں، اور مسلمانوں کو فنا کرنے کی فکر میں ہیں، ان کو دیکھیے تو لات وعزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھ سے گراتے ہیں، اور کثرت فتوحات کی بدولت ان کو دربار رسالت سے سیف من سیوف اللہ کا معزز و محترم خطاب نوازش کیا جاتا ہے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ جانے کا قصد کرتے ہیں تو حدیبیہ کے میدان میں عروہ بن مسعود، قریش کے سفیر بن کر آتے ہیں کہ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھیں، وہ خود بخود مدینہ میں آتا ہے، اور اسلام قبول کر کے اپنی قوم میں اسی کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ عمر بن الخطاب گھر سے تلوار لیکر نکلتے ہیں کہ آنحضرت کا سر قلم کریں، مگر جاتے ہی حلقہ بگوش اسلام بن جاتے ہیں، طفیل دوسی جب مکہ میں آتے ہیں تو اپنے کانوں میں روئی کی ڈاٹ رکھ لیتے ہیں کہ محمد کی آواز کان میں نہ پہونچے، بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا، اور محمد کی آواز کو پہونچاتا ہے، وہی عبد یالیل ثقفی، جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھر پھینکنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا تھا، انجام کار مدینہ میں حاضر ہوتا ہے، اور وہاں اپنی قوم کے لئے ایمان و ایقان لیکر جاتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ جنگ حنین میں، جبکہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، کون تھا جو رکاب نبوی کو تھامے ہوا تھا، یہ وہی ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب تھا، جو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کا بیٹا تھا مگر آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔

یہی سنت اللہ ہے کہ انجام کار اپنے اور بیگانہ سب تسلیم کر لیتے ہیں، سب کی

گردنیں جھک جاتی ہیں، اور سب مان جاتے ہیں کہ جس راہ پر ہم کو یہ مصلح اعظم لیجانا چاہتا ہے، وہ یقیناً نجات کی راہ ہے، اور اس پر چل کر ضرور کامیاب ہونگے، ہماری تمام دقتیں اور تکلیفیں دور ہو جائینگی، وہ ہمیں حکومت و آزادی دلوانے کا وعدہ کرتا ہے، اور ضرور ہے کہ یہ پورا ہو کر رہے، یہی وجہ ہے کہ ملک اس کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور ظالمانہ حکومت کے اعوان و انصار میں روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے۔

طاقت کی نمائش

قوم میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے ہیں، اسے اپنی غلامانہ ذلت اور محکومانہ رسوائی کا احساس ہو رہا ہے، وہ اپنے دل میں تڑپ پاتی ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ آزاد سرزمین ہو، کوئی غیر حاکم نہ ہو، اور نہ کسی کے ماتحت زندگی بسر کرنی پڑے، اسلئے سعی و کوشش ہوتی ہے، عام لوگوں میں جوش و ہیجان پیدا ہوتا ہے، شوق و ولولۂ طلب سے ہر ایک سرفروشانہ اقدام کرنا چاہتا ہے، مگر حکومت سدِّ راہ بن جاتی ہے، اس حیات قومی اور سرگرمی عمل کو دبانے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراشتی ہے، ہر قسم کے ظالمانہ قوانین کی تدوین و ترتیب ہوتی ہے، اور اگر یہ شوریدہ سر لوگ ان مجنونانہ اجتماعات کو قائم کریں تو ان کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے فوجی طاقت کی نمائش ہوتی ہے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ و ہارون کا فتنہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو اسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر اس وقت ان کی راہ میں زبردست رکاوٹ نہ پیدا کی گئی تو آگے چلکر یہ دونوں میری حکومت کو برباد کر دینگے، اسلئے اپنا رعب و اقتدار قائم رکھنے، اور ان کو ہیبت زدہ کرنے کے خیال سے اس نے اپنی تمام تر

فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا کہ رعایا کے لوگ اس شاہانہ شان وشوکت، فراوانی مال ودولت، کثرت اعداد وشمار، سامان حرب کی نمائش، اور تلواروں کی چمک سے خوف زدہ ہو جائیں، اور حریت واستقلال قومی کے خیالات وافکار کو دلوں سے نکال دیں :-

فجمع السحرة لمیقات یوم معلوم ۙ وقیل للناس ھل انتم مجتمعون ، (۲۶ : ۳۷ و ۳۸)	اس روز مقرر کے وعدے پر جادوگر جمع کئے گئے، اور لوگوں میں منادی کرادی کہ اب تک تو خیر تم لوگ الگ تھلگ رہے، اب ایسے موقع پر بھی تم لوگ جمع ہوگے یا نہیں۔

اس نمائش سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ :-

(الف) جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دام تزویر میں پھنس گئے ہیں وہ اپنے انجام اور عاقبت کار سے خوف زدہ ہو کر آزادی کے جنون کو سر سے نکال دیں۔

(ب) عام لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ اس حکومت کے قبضہ واقتدار میں کسقدر قوت وطاقت ہے، اور جب چاہے کتنی فوج فراہم کرسکتی ہے، پھر جب سلطنت کے ذرائع ووسائل اس کثرت کے ساتھ ہوں، وہ ایک بے سروسامان موسیٰ سے کیا خوف زدہ ہوگی۔

(ج) چونکہ موسیٰ کے باربار مطالبہ آزادی وحریت نے عوام الناس پر اپنا اثر ڈال لیا ہے، اور لوگوں کے دلوں سے حکومت کا رعب اٹھ گیا ہے یہ نمائش کی گئی کہ اس کا رعب قائم ہو جائے، اور اس کی ہیبت میں

کسی قسم کا فرق نہ آنے پائے۔

کلمۂ حق کا خوف

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قوت وطاقت فرعون کے ساتھ ہے سلطنت کے خزانے اس کے قبضہ واقتدار میں ہیں، اور فوج اس کے ہاتھ میں ہے لیکن کلمۂ حق اور فدا کاران حریت کی بادشاہت اور خسروی ملاحظہ ہو کہ ان کی تعداد قلیل ہے، ان کے پاس ذرائع ووسائل عیش وکامرانی نہیں، وہ لوگوں کو پھولوں کی سیج پر لیٹنے کی دعوت نہیں دیتے، بلکہ کانٹوں کے بستر ہیں جن کی طرف ان کو بلاتے ہیں، مگر یہی چھوٹی سی جماعت ہے جو باوجود قلت تعداد، فقدان اسباب، اور ضعف ظاہری کے، جنود کفر و ضلالت میں ہیبت پیدا کر رہی ہے، ایوان حکومت میں زلزلہ آرہا ہے اور اعضار وارکان حکومت اپنے آپ کو خطرات ومہالک میں گھرا ہوا پاتے ہیں:—

ان ھٰؤلاء لشرذمة قلیلون٥ وانھم لنا لغائظون٥ وانا لجمیع حٰذرون٥ (۲۶ : ۵۵، ۵۶، ۵۷)	بنی اسرائیل تھوڑی سی جماعت ہیں، اور انہوں نے ہمیں سخت ناراض کیا ہے، اور اگرچہ ہماری جماعت کثیر ہے، مگر ہمارا شیوہ احتیاط ہے، اسلئے تم کو مدد کے لئے بلاتے ہیں۔

فرعون کا دل اس جماعت کی روز افزوں ترقی اور کامیابی کو دیکھکر کانپ رہا ہے! اسے اپنی کمزوری وناتوانی کا احساس ہو رہا ہے، وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ کل جن لوگوں کی امداد واعانت پر مجھے پورا اعتماد اور بھروسہ تھا، آج وہ میری جماعت سے کٹ کر موسیٰ کے ساتھ مل گئے ہیں، اس لئے دوراندیشی کے خیال سے وہ اپنے باقی ماندہ اعوان وانصار کو مدد کے لئے بلاتا ہے، مگر اس مدد کے طلب کرنے میں بھی وہ دجل د

فریب، اور دسائس سیاست سے کام لیتا ہے، وہ اپنی بیکسی اور بے بسی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اور ظاہر بین نظروں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہانہ رعب و داب، قوت و طاقت، اور تائید الٰہی اسی کے ساتھ ہے، مگر اہل نظر اور ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کے اعلانوں کی تہ میں کونسی چیز کام کر رہی ہے، اور حقیقت اصلیہ کیا ہے۔

جھوٹے وعدے

ظالم حکومتوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب وہ دیکھتی ہیں کہ اب رعایا میں اپنی آزادی کا قوی احساس پیدا ہو گیا ہے، قوت و طاقت، اور فوجی نمائش نے کوئی کام نہیں دیا، بلکہ اس کا جوش و عشق حریت واستقلال اور ترقی کرتا جاتا ہے، اب اگر سختی سے کام لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا تو پھر وہ جھوٹے وعدوں پر اتر آتی ہیں، رعایا کو غلط امیدیں دلاتی ہیں اور دور از کار توقعات سے ان کا دل بہلاتی ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی حرارت قومی سرد پڑ جائے، اور جوش میں کمی پیدا ہو، فرعون پر جب کبھی مصیبتیں نازل ہوئیں، اور تکالیف نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا، تو وہ ہمیشہ موسیٰ سے طالب اعانت ہوا، اور وعدہ کیا کہ اگر ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے بادل چھٹ گئے تو میں اسی وقت بنی اسرائیل کو آزاد کر دونگا، مگر ایسا بارہا ہوا کہ موسیٰ کی دعاؤں نے فرعون کی عین وقت پر یاوری کی، اور اس کو ہر تکلیف و مصیبت سے نجات مل گئی، لیکن وہ ہمیشہ بدعہد ثابت ہوا، اور کبھی اپنی بات پورا کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ فراعنہ و دجاجلہ کی یہی سنت ہے، قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

ولما وقع علیهم الرجز قالوا یٰموسی ادع لنا ربك بما عھد عندك لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنی اسرائیل ۚ فلما کشفنا عنھم الرجز الی اجل ھم بالغوہ اذا ھم ینکثون ○ (۷ : ۱۳۱)

جب ان پر عذاب نازل ہوتا تو کہتے اے موسیٰ! تم سے جو خدا نے قبول دعا کا وعدہ کر رکھا ہے، اسکے آسرے پر اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں دعا کرو، اور اگر تم نے ہم پر سے اس عذاب کو ٹال دیا، تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی ضرور تمہارے ساتھ بھیجدینگے پھر جب ہم ایک وقت خاص کے لئے، جس تک ان کو پہونچنا تھا، عذاب کو ان سے ٹال دیتے تو وہ فوراً ہی بدعہدی کرنے لگتے۔

اس آیت میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے :-

(الف) جب حکومت پر کوئی مصیبت آتی تو اسی ذلیل وکمزور رعایا کی جانب توجہ ہوتی، اس کی مدح وستائش کے راگ گائے جاتے، اس کے سپاہیانہ جذبات، مالی فداکاری، اور جوش مذہبی سے اپیل کیا جاتا،

(ب) اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے ان لوگوں سے صلح وآشتی کی جاتی، اور ان سے درخواست کی جاتی کہ عارضی طور پر وہ اپنی مخالفانہ کوششوں کو ترک کردیں، اسکے بعد ان کے مطالبات پورے کردیے جائینگے،

(ج) ان سے وعدے کئے جاتے کہ اس مصیبت عظمیٰ اور داہیۂ کبریٰ سے نجات حاصل کرتے ہی تمام مطالبات قومی پورے کردیے جائیں گے، تمہاری ہر تکلیف ومصیبت کا علاج ہوجائیگا، اور کوئی رکاوٹ باقی نہ رہیگی۔

(د) لیکن جب تکلیفوں سے نجات ملتی، اور رنج وغم کے بادل چھٹ جاتے، تو ان تمام وعدوں پر پانی پھر جاتا، کاغذ کے ایک پرزہ سے زیادہ انکی حقیقت نہ ہوتی، بلکہ جس قوم نے دھوکے میں آکر اس قدر جوش فداکاری و سرفروشی کا اظہار کیا تھا، اس کی عملی قوتوں کو معطل و بیکار کرنے کے لئے اور زیادہ سخت قوانین کی تدوین و ترتیب ہوتی۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ جس بدبخت قوم نے اپنی زندگی اور موت، حکومت کے حوالہ کردی ہو، جس نے اپنی دولت و ثروت اس پر قربان کردی ہو، اور جس نے ہر ممکن طریقہ سے اس کی امداد و اعانت کی ہو، اس کی ہر طرح دلجوئی کی جاتی، اسکی ترقی کے لئے مختلف تدابیر سوچی جاتیں، اور اس کو موقع دیا جاتا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے اوپر خود حکومت کر سکے، مگر فرعون کی شوریدہ سری ملاحظہ ہو کہ وہ صرف بدعہدی ہی پر قناعت نہیں کرتا، اور اپنی بیہودہ حرکت پر نادم نہیں ہوتا بلکہ بنی اسرائیل کو تکلیف و مصیبت میں ڈالنے اور ان کا دل دکھانے کا پورا سامان کرتا ہے، ان کی تضحیک و تحمیق کرتا، اور ان کی سادہ لوحی پر تمسخر و استہزا کرتا ہے، وہ لوگ تو اپنی قومی آزادی کے لئے کوشش کرتے ہیں مگر یہ ان کی ہر سعی کو ہنسی میں اڑا دیتا ہے:۔

فلما جاء ھم بآیتنا اذا ھم منھا یضحکون ٥ (۴۳ : ۴۶)	تو جب موسیٰ ہمارے معجزے لیکر انکے پاس آئے تو وہ لگے ان کی ہنسی اڑانے۔

مگر انجام کار اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمسخر و استہزا در اصل میں اپنے ساتھ کر رہا تھا۔

احسانات کی یاد

حکومت کرنے کے دو طریقے ہیں:۔

(الف) اگر حاکم جماعت کو رعایا کے ساتھ الفت و ہمدردی ہے، تو اسکی سب سے پہلی کوشش یہ ہوگی کہ وہ ان میں اخلاق صالحہ اور صحیح کیرکٹر پیدا کردے، اوران کی ایسی تعلیم و تربیت کرے کہ خود ان میں حکومت و جہانبانی کی قابلیت پیدا ہوجائے۔

(ب) لیکن اگر تلوار کے زور سے، اور طاقت کے بل پر لوگوں کو اپنا غلام و محکوم بنالیا ہے، اس کے تعلقات و روابط اپنی ماتحت قوموں کے ساتھ محض تاجرانہ اصول پر مبنی ہیں، اور اس کو رعایا کے سود و زیاں سے کوئی سروکار نہیں، تو اس کی یہ کوشش ہوگی کہ ان لوگوں میں سیرت نہ پیدا ہو، روز بروز یہ بداخلاقی کے گڑھے میں گرتے جائیں، انکو اپنی گزشتہ شاندار تاریخ سے واقفیت نہ ہو اور ہمیشہ میرے ہی غلام رہیں۔

تورات ہمیں بتاتی ہے کہ فرعون کا طرز حکومت دوسری قسم کا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی حکومت کے ثبات و قیام کے لئے مسئلہ توازن (Balance of Power) پر عمل کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو مختلف گروہوں میں تقسیم کردیا تھا، اور ان کو ہمیشہ ذلیل سے ذلیل خدمتوں کے لئے مجبور کرتا تھا کہ ابھرنے نہ پائیں، ملک میں جسقدر اصلاحات نافذ ہوتی تھیں ان کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ حکام کی مختصر جماعت کو فائدہ پہنچے، اس کی جیبیں سونے اور چاندی کے سکوں سے بھرپور ہوں، اگرچہ ایسا کرنے سے بنی اسرائیل کے لاکھوں افراد بھوک اور فاقہ کشی کی وجہ سے مرجائیں، اور ہزاروں فرزندان آدم مختلف امراض اور بیماریوں کا شکار ہوں۔

جس حکومت کا یہ طرز عمل ہو، جو اصلاح کے پردے میں انسانوں کو ذبح کرتی ہو،

جو انسانی ہمدردی کا نقاب پہن کر لوگوں کے سامنے آئے، اور اپنے عشوہ و ناز سے عوام الناس کو اپنا فریفتہ کرلے، مگر جب نقاب کو اُلٹے تو بھیڑیوں اور درندوں کی طرح اپنے گرد و پیش کے تمام انسانوں کو چیرے، اور پھاڑے، ظاہر ہے کہ کسی شریف انسان کو ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی حکومت کے ساتھ ہمدردی نہیں ہو سکتی، اور اگر افراد رعایا اس کی سحر طرازیوں سے مسحور ہو گئے تھے تو جس وقت ان میں حس و بیداری پیدا ہوگی اس کے اشد شدید دشمن بن جائینگے، اور ایسی ظالمانہ حکومت کے تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنی تمام کوششیں وقف کر دینگے۔

پانی سر سے گزرنے کے بعد حکومت کی آنکھیں کھلتی ہیں، دیکھتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے تنبہ و اعتبار کی راہیں کھل گئی ہیں، موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت نے ان کو آزادی کے لئے تیار کر دیا ہے، اب فرعون اپنی حکومت کے بقاء و استحکام کی خاطر اپنے گزشتہ احسانات یاد دلاتا ہے، اپنے سابقہ کارناموں کا تذکرہ کرتا ہے، اس نے جو جو اصلاحات نافذ کی ہیں، ان کی منظر عام پر جلوہ نمائی کی جاتی ہے، اور اس تمام تر خدع و فریب اور دجل و شیطنت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان فریب کاریوں اور ملمع سازیوں میں پھنسکر رعایا کے عام لوگ اس حکومت کو اللہ کا احسان عظیم خیال کریں، بادشاہ وقت کو ظل اللہ اور اوتار سمجھیں، اور اس سے انحراف و بغاوت کو گناہ عظیم تصوّر کریں۔

فرعون پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ بنی اسرائیل حریت و استقلال کے لئے تیار ہو چکے ہیں، موسیٰ نے آتے ہی دربار فرعونی میں اپنا مطالبہ پیش کر دیا تھا کہ ارسل معنا بنی اسرائیل، مگر اس صدائے حریت نے اس کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا، وہ تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ چاہتا تھا کہ اس قوم کو آزادی بخشے، اسلئے اپنی حکومت و

فرماں روائی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے وہ ان الفاظ میں موسیٰ کو مخاطب کرتا ہے:۔

الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سنين (۲۶ : ۱۷)	کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں رکھکر بچہ سا نہیں پالا، اور تیری اتنی عمر ہونے آئی، تو اپنی اس عمر میں سے برسوں ہمارے ہاں رہا۔

تم تہذیب و شائستگی سے عاری، تمدن و حضارت سے بے بہرہ، محاسن اخلاق و فضائل اعمال سے ناواقف، اور علوم و معارف سے محروم محض تھے، جنگلیوں کی سی زندگی بسر کرتے، حیوانوں کی طرح رہتے، اور درندوں کی مانند ایک دوسرے کو چیرتے پھاڑتے تھے، کپڑا پہننے، کھانا کھانے، بات کرنے کی تمیز نہ تھی، تمہاری بیکسی و بے بسی کی یہ حالت تھی کہ سمندر کی موجوں کے رحم پر چھوڑ دیے گئے تھے، تمہارا کوئی نگران کار و محافظ نہ تھا، ہم نے تمہاری نگہداشت اپنے ذمہ لی، تعلیم و تربیت کا انتظام کیا، تمہیں مہذب و شائستہ بنایا، رہنے کا ڈھنگ سکھایا، قصور و محلات شاہی میں رہ کر تم میں عقل و شعور، اور تمیز پیدا ہوئی، تمہارے آرام کی خاطر ہر قسم کی سہولتیں بہم پہونچا دیں، کیا یہ قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسی شفیق و مہربان حکومت سے انحراف و بغاوت کرو، اور اپنی قوم میں اس کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات خبیثہ پیدا کرو۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حقیقت سے خوب آشنا تھے کہ ان احسانوں کا شکر گزار ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں، فرعون کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کو فائدہ پہنچے، اور اس کی تعلیم و تربیت سے وہ اپنی قوم میں زندگی پیدا کرنے کے قابل ہوں، بلکہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد پیش نظر تھے، اور اپنے ہی زاویہ نگاہ سے ان امور کو انجام دیا تھا، اتفاق سے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ گیا، اب ظاہر ہے کہ ان تو نیر

کون عقلمند شکرگزاری کا مطالبہ کریگا، یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ زید اپنے ایک دوست خالد سے ملنے کے لئے جاتا ہے، راستہ میں اس کو اتفاقاً ایک ہزار روپیہ کی تھیلی ملجاتی ہے، کیا خالد کو یہ حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی شکرگزاری کے لئے مجبور کرے۔

موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ مجھے اس لئے نہیں پرورش کیا گیا کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی تھی، بلکہ ان کی خودغرضی اور مطلب پرستی نے ان کو اس کے لئے مجبور کیا تھا، فرعون کی بیوی نے جب موسیٰ کو اپنے خاوند کے پنجہ ظلم سے بچانے کی کوشش کی تو یہ کہا :-

قرت عین لی ولك ط لا تقتلوہ قلےعسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا، (۲۸ : ۸)	یہ میری اور تمہاری، دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تو تم لوگ اس کو مارو نہیں، عجب نہیں کہ ہم کو فائدہ پہونچائے یا اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

یہ تو فرعون کے گھر والوں کی غرض و غایت تھی، مگر اللہ تعالیٰ کا مقصد کچھ اور ہی تھا، وہ چاہتا تھا کہ لیکون لھم عدوا وحزنا، ان کے دشمن، اور ان کی پریشانی کا باعث ہوں۔

جس حکومت نے اس بچہ پر روپیہ صرف کیا ہو کہ اس کے عوض میں تمام قوم کو اپنا غلام بنالے۔

جس نے تہذیب و شائستگی اس لئے سکھائی ہو کہ غلامی میں اور زیادہ قوت و استحکام ہو۔

جس نے ہمدردی و مروّت کا اظہار اس لئے کیا ہو کہ محکومیت کی بیڑیاں اور طوق مضبوط ہوں۔

جس نے ہر قسم کی سہولتیں اسلئے بہم پہونچائی ہوں کہ ان کو اپنی خودغرضیوں کا شکار کرے۔

جس نے سفر میں آسانیاں پیدا کردی ہوں کہ تمام قوم کی قوم آرام طلب بن جائے،

جس نے علوم وفنون کی ترویج اسلئے کی ہو کہ ان کو اپنی گزشتہ تاریخ بالکل تاریک نظر آئے، اپنے ابا و اجداد کو ہر قسم کی خوبی اور نیکی سے خالی پائیں، اور یہہ لوگ سچے داموں غلامی کے لئے تیار رہوں۔

جس نے طہارت وپاکیزگی، عفت وپاک دامنی، اور نیکی وفرشتگی سے متنفر کرنے کی پوری کوشش کی ہو۔

جس نے ہر بداخلاقی، اور فسق وفجور کو اپنی سرپرستی میں لے لیا ہو، اور ملک میں اس کی عام نشر واشاعت کردی ہو۔

اور جس نے قوم کی قوم کو ادنیٰ ترین ضروریات زندگی کے لئے غیروں کا محتاج ودست نگر بنادیا ہو۔

وہ حکومت ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے، اور کبھی کوئی صاحب نظر وبصیرت اس فرعون کے آگے سر تسلیم خم نہ کریگا، چنانچہ موسیٰ نے اس فرعونی مطالبہ کا جواب ان الفاظ میں دیا:-

وتلك نعمة تمنها علي ان عبدت بني اسرائيل (۲۶ : ۲۱)	یہ احسان پرورش جو تم مجھ پر رکھتے ہو، کیا اسی کے بدلے تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

فرعون اپنے گزشتہ احسانوں کو یاد دلاتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے شکریہ

میں وہ بنی اسرائیل کو ابھی اور ایک مدت تک اپنا غلام بنائے رکھے، لیکن موسیٰ علیہ السلام اس کو صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا بالکل غلط ہے، تمہیں ہرگز جائز نہیں کہ اس احسان پرورش کی خاطر تمام قوم کو برباد کرو۔

یہ فرعونی حکومتوں کا خاصہ ہے کہ جب تحریکات قومی کسی طرح نہیں دبتیں، رعایا میں آزادی کا جوش بڑھتا جاتا ہے، نہ تو تمسخر و استہزا کام دیتا ہے، اور نہ جابرانہ پالیسی کامیاب ثابت ہوتی ہے تو اپنی رعایا کے جذبہ شکرگزاری کو تحریک دینے کے لیے اپنے احسان جتاتی ہیں، اور اس طرح کوشش کرتی ہیں کہ عوام الناس اس دہوکے میں آکر ان کا ساتھ دیں، اور آزادی کی راہِ حق ترک کر دیں، اگرچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا پر کوئی احسان نہیں کیا، اور واقعات اس کی پوری شہادت دے سکتے ہیں، مگر پھر بھی احمق اور کوتاہ اندیش لوگ اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے اس چالبازی کو نہیں سمجھتے، اور حکومت کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

فرعون کی ناقابلیت

اس بدبخت کا کبھی بھی یہ مقصد نہ ہوا کہ بنی اسرائیل آزاد ہوں، اس نے ان کی ترقی کی تمام راہیں بند کر دی تھیں، ذلیل ترین خدمتیں اُن کے سپرد کی جائیں، اور کبھی انکو دولت مند ہونیکا موقعہ نہ دیا جاتا، یہ لوگ مصر میں قریباً چار سو سال تک غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے، اور کبھی اس قابل نہ ہو سکے کہ حکومت کر سکتے، اب اس سے زیادہ محکومانہ زندگی بسر کرنا کسی طرح بھی قرین عقل و انصاف نہ ہو سکتا تھا، حضرت موسیٰ کی بعثت صرف اس لئے ہوئی تھی کہ بنی اسرائیل آزاد ہوں، اور فرعون کے پنجۂ قہر و استبداد سے نجات حاصل کریں، ان کو ایسا قانون نوازش کیا گیا تھا جو ہدیٰ و نور تھا، جو حریت و استقلال کا

ذمہ دار وکفیل تھا، موسیٰ ہر قسم کے سامان و وسائل اپنے ساتھ لیکر آئے تھے، وہ اپنی عاجز ودرماندہ قوم کو غلامی ومحکومی کی ذلت و رسوائی سے نکال کر حکومت وخلافت تک لے جانے کے قایل تھے، اسلئے اُنہوں نے جس وقت قومی آزادی کا مطالبہ کیا، اس حقیقت کو بھی واضح کردیا کہ میں اس قوم کو راہ ترقی دکھا سکتا ہوں، ملاحظہ ہو:۔

فالقیٰ عصاہ فاذا ھی ثعبان مبینٌ ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنٰظرین، (۲۶ : ۳۱ و ۳۲)	اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی، تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ صریح اژدہا ہے، اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ نکالنے کے ساتھ سب دیکھنے والوں کی نظر میں بڑا چمک رہا تھا۔

ان معجزات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے حریف فرعون، اور اس کے ارکان سلطنت کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ:۔

(الف) یہ لاٹھی بالکل بیجان تھی، میرا ہاتھ لگتے ہی اس میں زندگی پیدا ہوگئی، اور وہ حرکت کرنے لگی، ایسے ہی بنی اسرائیل چار سو سال تک تمہارے غلام رہے، مگر تمہارا قانون، زندگی بخش ثابت ہونے کی بجائے ان کی موت کا باعث بن گیا۔ اور وہ حقیقت میں مرگئے، کیونکہ محکومیت اور موت دونوں مترادف الفاظ ہیں، حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ نام مختلف ہیں، زندگی صرف حکومت اور جہانبانی کو کہتے ہیں، جس وقت بنی اسرائیل تمہاری غلامی سے نجات حاصل کرکے میرے قانون پر عمل کرنا شروع کردینگے، تو وہ فوراً زندہ ہوجائینگے، اور ارض مقدس کی حکومت انہیں نوازش کی جائیگی۔

(ب) حرکت کرنے کے بعد لاٹھی نے ان تمام سانپوں کو نگل لیا، جو فنا سامانی کی خاطر، جادو کے زور سے بنائے گئے تھے، بنی اسرائیل میرے قانون کا اتباع کر کے زندہ ہو جائینگے، اور ان تمام دشمنوں کو تباہ و برباد کر دینگے، جنہوں نے اب تک ان مظلوموں اور بیکسوں کو سانپ کی طرح کاٹ کھایا ہے، جن کی تہذیب و شائستگی، تعلیم و تربیت، اور اصناف علوم و فنون کی نمائش بظاہر نہایت ہی دلفریب اور دل خوش کن تھی، لیکن حقیقت میں اس کا زہر نہ صرف جسم کو ہلاک کر دیتا تھا، بلکہ روح پر بھی عالم ممات طاری کر دیتا تھا۔

(ج) میرے ہاتھ نے میرے حکم کی تعمیل کی تو روشن ہو گیا، اور اب کسی آنکھ کو طاقت نہیں کہ اس کی طرف دیکھ سکے، سب کے سب محو حیرت و استعجاب ہیں، ایسے ہی جب بنی اسرائیل میرے دست و بازو بن کر حریت قومی کے لئے سرفروشانہ اقدام کرینگے ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لینگے، تو ان کی ترقی نہایت سرعت کے ساتھ ہوگی، تمام قومیں ان کو حیرت سے دیکھیں گی، کسی میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اور دنیا میں ان کا نام روشن ہو جائیگا۔

ان دونوں معجزات کو قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، ایک جگہ انکو فتح و کامرانی اور غلبہ فرمایا، ولقد ارسلنا موسیٰ بایٰتنا وسلطٰن مبین، (۱۱: ۹۹) ایک موقع پر ان کو آزادی کے زبردست دلائل سے تعبیر کیا:۔ فذانک برھانٰن من ربک، (۲۸: ۳۲) ایک مقام پر ان کو اللہ نے اپنی آیات کبریٰ

سے یاد کیا، فاریہ الآیۃ الکبری، (۷۹ : ۲۰) مقصد ان تمام آیات کا یہی ہے کہ اب بنی اسرائیل کی آزادی کا وقت آگیا، اور موسیٰ کے پاس وہ قانون موجود ہے جو ان کے استقلال قومی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ان معجزات کو دیکھکر فرعون کو اس امر کا موقعہ ملگیا کہ عوام الناس کو دہوکا دے، چنانچہ اس نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا :۔

ان ھذا لسحر علیم ٥ یرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرہ (۲۶ : ۳۴ و ۳۵)	بیشک یہ شخص ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تمکو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرے۔

ذہاب الی اللہ

جب نوبت یہاں تک آگئی، تو بنی اسرائیل ترک وطن اور ہجرت الی اللہ کے لئے مجبور ہو گئے کہ بلاد بعیدہ میں جاکر اپنے وطن کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کریں، اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرکے آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جائیں، مگر بدبخت فرعون نے ان کے اس راستہ میں بھی رکاوٹیں پیدا کیں، اور ہر طرح سے مسلح ہوکر ان کا دور تک تعاقب کیا :۔

فاتبعوھم مشرقین ○ فلما تراءا الجمعٰن قال اصحٰب موسیٰ انا لمدرکون ○ قال کلا ان معی ربی سیہدین ○ (۲۶ : ۶۰ و ۶۱ و ۶۲)	تو فرعون کے لوگوں نے دن نکلتے نکلتے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا، پھر جب دونوں جماعتیں ایسی قریب ہوگئیں کہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں، تو موسیٰ کے لوگ لگے کہنے کہ ابتو دشمن نے ہمکو آلیا، موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا

پروردگار ہے، اور کوئی دم میں وہ مجھ کو مخلصی کا راستہ دکھائیگا۔

فرعون کا لشکر، اور اس کا سازوسامان دیکھکر بنی اسرائیل کے اوسان خطا ہوگئے، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، جو قوم ہمیشہ سے دوسروں کی غلام و محکوم رہی ہو، وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتی ہے، اگرچہ منزل مقصود اسکے سامنے ہو، اور سپیدۂ صبح نمودار ہوگیا ہو، مگر وہ پھر بھی شک میں مبتلا رہیگی، آزادی کی راہ آسان نہیں، اس میں تکلیف و مصیبت کا آنا ضروری ہے، قصر آزادی کی طرف صرف ایک ہی راستہ جاتا ہے، جسکا فرش اینٹ اور چونے کا نہیں، بلکہ انسانی خون اور اسکے مغرور سروں کا ہی، قرآن نے اس اصول کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی :-

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستهم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معه متی نصر اللہ ط الا ان نصر اللہ قریب، (۲ : ۲۱۴)	کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ مزے سے بہشت میں داخل ہوگے، اور ابھی تک تم کو ان لوگوں کی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، کہ ان کو سختیاں بھی پہونچیں، اور تکلیفیں، اور جھڑ جھڑاے بھی گئے، یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے چلا اٹھے، آخر خدا کی مدد کے آنے کا کوئی وقت بھی ہے؟ سنبھلو سنبھلو اللہ کی مدد کا وقت قریب آگیا۔

جس وقت فرعون نے تنگ آکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت بھی ان لوگوں نے موسیٰ ہی پر تمام الزام رکھا تھا کہ جس قدر تکالیف و شدائد

حکومت کی جانب سے ہم پر نازل ہو رہی ہیں، وہ آپ ہی کی وجہ سے ہیں، اگر آپ یہ مطالبہ نہ کرتے تو آرام سے زندگی بسر ہوتی: قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا، (۷ : ۱۲۶) مگر موسیٰ نے ان کے اس اعتراض کی کوئی پروا نہ کی، اپنی کوشش میں مصروف رہے، اوران کو بتا دیا کہ میری کوششوں کا یہ نتیجہ ہوگا :-

عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض، (۷ : ۱۲۶)	اب وہ وقت آگیا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کرے، اور تم کو ملک میں اس کا جانشین بنائے۔

یہ غلامی ہی کے نتائج تھے جن کی بنا پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت بنانے کی درخواست کی، اور یہی وہ چیز تھی جس نے ان کی ہمتوں کو پست، اور ارادوں کو کمزور کر دیا تھا، موسیٰ کا وعدہ قطعی اور یقینی ہے مگر بیت المقدس پر حملہ کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھتے، اور انجام کار اپنی بزدلی اور کمزوری کا اظہار یوں کرتے ہیں: فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون، تم اور تمہارا خدا، دونوں جاؤ اور ان لوگوں سے لڑو، ہم تو اسی جگہ بیٹھے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ غلاموں اور محکوموں کے جذبات صادقہ پر عالم ممات طاری ہو جاتا ہے، پھر نہ تو ان میں ہمت کی بلندی ہوتی ہے، اور نہ ارادہ کی قوت، وہ درخت کی ٹہنی کو، جنگلوں اور پہاڑوں کے ہر پتھر کو، اور قدرت کی ہر جلوہ نمائی کو اپنے سے زیادہ عزیز و محترم خیال کرتے ہیں، اور اس لئے ہر ذلیل سے ذلیل چیز کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں، اسی غلامی نے ان کو بزدل بنا دیا، اور باوجود

آزادی حاصل کرنے کے وہ فرعون کے لشکر کو دیکھکر خوف زدہ ہو گئے مگر موسیٰ نے انہیں اطمینان دلایا کہ جب میں حق پر ہوں، تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی میری اس تحریک آزادی کو فنا نہیں کر سکتی، خدائے کریم جو بیکسوں کا چارہ ساز، اور مظلوموں کا دادرس ہے، مجھے اس وادی میں اکیلا نہیں چھوڑیگا کہ گم کردہ راہ بھٹکتا پھروں، بلکہ وہ میرے ساتھ ہے، اور رہ نمائی کرتا ہے، وہی نجات و کامرانی کی صورت بھی پیدا کر دیگا۔

نتیجہ کی بشارت

جس وقت بنی اسرائیل، سرزمین مصر میں انتہائی مظالم کا شکار ہو رہے تھے آسمانوں پر ان کی قسمت کا فیصلہ یوں کیا جا رہا تھا:-

ونريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض ونجعلهم الوارثين ○ ونمكن لهم فى الارض ونرى فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانوا يحذرون ○

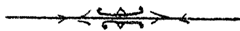
(۲۸ : ۴ و ۵)

اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ اس کے ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے، ان پر احسان کریں، اور انہیں کو سردار بنائیں، اور انہیں کو سلطنت کا وارث ٹھیرائیں، اور انہیں کو ملک میں جمائیں، اور فرعون، اور ہامان، اور ان کے لشکر کو بنی اسرائیل کی طرف سے جس بات کا خطرہ تھا، وہ انہیں کے ہاتھ سے انکے آگے لائیں۔

قرآن حکیم نے ان الفاظ میں ایک دائمی قانون عدل کی طرف ہماری راہ نمائی کی ہے، وہ بتاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ و جلال کی نمائش گاہ ہے، اور کمزوروں کی ہلاکت کا مقتل، طاقتور قومیں اور زبردست حکومتیں کمزوروں کو اپنا غلام و محکوم بنا لیتی ہیں، ان میں جھوٹ اور نفاق، بغض اور کینہ، اور باہمی انتقام کے جذبات

خبیثہ پیدا کرکے ان کی جمعیت کو توڑتی ہیں، ان کے مختلف گروہوں، اور فرقوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتیں، کیونکہ وہ اگر ملکر ایک ہوجائینگی تو کمزور نہ رہینگی، اور اتفاق ویک جہتی کی طاقت، اعلیٰ ترین ظالموں کے تاج وتخت کو اُلٹ دیگی، یہ حال مصر میں بنی اسرائیل کا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا ایک دوسرا قانون بھی ہے، خدا کا زبردست ہاتھ کبھی کبھی جھکنے والی حرکت کا بھی اظہار کرتا ہے، جب ظلم اور طاقت کی انتہا ہوجاتی ہے، جبر وتشدّد، اور غرور وتکبر کا شیطان حد سے تجاوز کرتا ہے، تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا طاقت والوں کی جگہہ کمزوروں کا گھر بنادی جاتی ہے، اور وہی زمین جو کمزوروں کے لئے قتل گاہ تھی، طاقت والوں کی تباہی وہلاکت کا تماشا گاہ بن جاتی ہے، پس اس دن چھوٹے بڑے کئے جاتے ہیں، اور بڑوں کو چھوٹا کیا جاتا ہے، وہ کہ کمزور کردیے گئے تھے وہ کہ بیکس اور بے نوا تھے، وہ کہ صرف رونے، ماتم کرنے بے بسی کی چیخیں مارنے، اور لٹنے لٹانے کے لئے تھے، وقت آتا ہے کہ احسان الٰہی کے سزاوار ٹھیرتے ہیں، اور کمزوری کی جگہہ طاقت کے لئے بیکسی کی جگہہ فرمانروائی کے لئے، رونے کی جگہہ خوشیوں کے لئے، ماتم کی جگہہ عیش و کامرانی کے لئے، اور لٹنے کی جگہہ لوٹنے کے لئے تمام عالم میں نمایاں ہوجاتے ہیں، قوت فرعونی کی جگہہ قوت موسوی کی تلوار آن کی آن میں دنیا کو پلٹ دیتی ہے، اور صدیوں کی گری ہوئی قومیں پھر جاہ وجلال ربانی کے ظہور وقیام کے لئے دنیا کی وارث اور خلیفہ بنادی جاتی ہیں۔



حسن خاتمہ

اس قدوس حق نواز کی کارفرمائی دیکھئے کہ اس ضعیف و کمزور قوم کو کس طرح وارث تاج و تخت بنادیا ہے :-

واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربھا التی بٰرکنا فیھاط وتمت کلمت ربك الحسنیٰ علیٰ بنی اسرائیل ۵ بما صبرواط ودمرنا ماکان یصنع فرعون وقومہ وماکانوا یعرشون ۵

(۷ : ۱۳۳)

اور ملک شام کی زمین، جس میں ہم نے برکت دی تھی، آخر کار ہم نے ان لوگوں کو اس کے پورب اور پچھم کا مالک کر دیا، جو فرعون کے ہاں کمزور سمجھے جاتے تھے، اور اے پیغمبر! چونکہ بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلموں پر صبر کیا، اس لئے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک، جو اس نے بنی اسرائیل سے کیا تھا انکے حق میں پورا ہوا، اور جو سختیاں، فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل کے ساتھ کرتے تھے، اور بڑی بڑی اونچی عمارتیں ان سے بیگار میں بنواتے تھے -

ادھر تو بنی اسرائیل کو ارض مقدس کا وارث بنادیا، اور ادھر فرعون اور اس کی قوم کو سرزمین مصر سے محروم کر دیا :-

فاخرجنھم من جنت وعیون ۵ وکنوز ومقام کریم ۵ کذلك ۵ و اورثنھا بنی اسراءیل ۵

(۲۶ : ۵۷ و ۵۸ و ۵۹)

غرض ہم نے فرعون کے لوگوں کو باغوں، اور چشموں، اور خزانوں، اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، ایسا ہی ہوا، اور بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا -

تم نے دیکھ لیا کہ یوسف غلامانہ حیثیت سے مصر میں داخل ہو کر اس سرزمین کے وارث بن جاتے ہیں، اور تمام اطراف مملکت میں بنی اسرائیل عزت و کرامت کی زندگی بسر کرتے ہیں، مگر جب وہ اپنے شرف و مجد انسانی کو کھو بیٹھتے ہیں، اور دائرہ انسانیت سے نکلکر جانوروں اور درندوں کی زندگی اختیار کرتے ہیں، تو ان پر عذاب الٰہی اس صورت میں نازل ہوتا ہے کہ ان پر ظالم و جابر بادشاہ مسلّط کئے جاتے ہیں، جو ان میں پھوٹ اور نفاق کے جذبات پیدا کر کے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، پھر ہر ایک جماعت دوسری کو فنا کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ قریباً چار سو سال تک غلام رہتے ہیں، پھر جب فرعون کے مظالم کی انتہا ہو جاتی ہے، اور جبر و استبداد اپنے کمال پر پہنچ جاتا ہے، تو رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے، اور موسیٰ کو ان کی نجات کے لئے مبعوث کرتی ہے، وہ ایک مدّت تک فرعون کے گھر میں پرورش پاتے ہیں کہ سیاست کی چالبازیوں اور مکاریوں سے خوب واقف ہوں، حکومت کے نظر فریب رعب و داب، اور ظاہری شان و شوکت کی حقیقت سے آگاہ ہوں، اور جہانبانی و جہانداری کے اصول و ضوابط کو معلوم کرلیں، پھر ان کو خود جلاوطنی کی مقدس منزل پیش آتی ہے، اور دس سال تک شعیب کی بکریاں چراتے ہیں تاکہ اس طریق سے غلامانہ زندگی بسر کر کے ان کو معلوم ہو کہ میری قوم کی کیا حالت ہوگی جو چار سو سال سے غلامانہ طور پر رہ رہی ہے، پس وہ آئے، اور بے باکانہ فرعون کے دربار میں للکار کر اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

فرعون کو دیکھو وہ پہلے اس تحریک آزادی کو ہنسی میں اُڑانا چاہتا ہے، اور موسیٰ کو مجنون کا لقب دیتا ہے، مگر تھوڑی سی مدّت کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس

تحریک نے ملک میں جڑ پکڑلی ہے تو وہ سختی پر اُتر آتا ہے، اور فدا کاران حریت کو قید اور پھانسی کی دھمکی دیتا ہے، اُسے خیال ہوتا ہے کہ یہ سختیاں میری سلطنت کو اور زیادہ محکم واستوار کر دینگی، مگر در اصل یہی جابرانہ طریق عمل اس کی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، چند روز کے بعد وہ سمندر میں غرق ہوتا ہے، اور وہی مظلوم وبیکس وارث تاج وتخت بن جاتے ہیں۔

اس خدائے قدوس کے وعدہ کی سچائی کو دیکھو، اس نے کس طرح ایک فرعونی حکومت کو تباہ وبرباد کیا، پس جس کی آنکھیں ہیں وہ دیکھے، جس کے کان ہیں وہ سنے، اور جس کا دل ہے وہ غور کرے کہ یہ وعدہ صرف ماضی کے لئے نہ تھا بلکہ مستقبل کے لئے بھی ہے کہ جو حکومت فرعون کے نقش قدم پر چلیگی وہ اسی طرح سمندروں میں غرق ہوگی، اس وعدۂ الٰہی کے ماضی کو تمام دنیا دیکھ چکی ہے، اب مستقبل کو دیکھنا باقی ہے، وکان وعدا مفعولا، منزل مقصود سامنے ہے، اور سورج اگرچہ دکھائی نہیں دیا مگر اس کی روشنی خبر دے رہی ہے کہ ظلمت وتاریکی گئی اور نور کا زمانہ آگیا۔

یاس وقنوط کی کوئی وجہ نہیں، وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید::-

فیضی گماں مبر کہ غم دل نہفتہ ماند
اسرارِ عشق انچہ تواں گفت، گفتہ ایم!

تصنیفات

خواجہ محمد عبدالحی فاروقی

(۱) قانون جنگ

یعنی تفسیر الفرقان فی معارف القرآن کا چوتھا حصہ جس میں سورۂ انفال و توبہ کی مفصل و مبسوط تفسیر ہے۔ ابتدا میں جہاد فی سبیل اللہ پر ایک مقدمہ ہے جس میں شرح و بسط کے ساتھ اسکے تمام اطراف و جوانب کو صاف کر کے واضح کر دیا ہے کہ قومی زندگی کی بقا صرف جہاد کے ساتھ وابستہ ہے۔ جن لوگوں نے الخلافۃ الکبریٰ کا مطالعہ کیا ہے صرف وہ اس کا خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہوگی۔ زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت فی جلد دو روپیہ (عہ)

(۲) الخلافۃ الکبریٰ

اس میں سورۂ بقرہ کی جامع و حاوی تفسیر ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف چند ماہ کے عرصہ میں اسکی کاپیاں قریباً تمام فروخت ہو گئیں اور اب صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں، اسکو علمائے کرام، صوفیائے عظام، اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سب نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ قیمت فی جلد چار روپیہ للعہ مجلد پانچ روپیہ (صہ)

زیر تالیف

(۳) ذکریٰ

یہ تیسویں پارہ کی مکمل تفسیر ہے، عام طور پر مسلمانوں کو یہ حصہ یاد ہوتا ہے، اور نماز میں اس کی اکثر تلاوت کرتے ہیں۔ اس حصہ میں نہایت تفصیل سے توحید، جزائے اعمال، اور نبوت پر بحث کی گئی ہے، اور بہت سے سیاسی مسائل، قوموں کے عروج و زوال کے اصول و ضوابط مجامع ملی کی ترتیب و تنظیم، اور بین الاقوامی زندگی کے قواعد و کلیات بیان کئے گئے ہیں تفسیر کیا ہے علوم و معارف کا مخزن، اور عملی زندگی کے لئے صراط مستقیم ہے۔

(۴) الدین و السیاستہ

اس میں آل عمران۔ نساء اور مائدہ کی تفسیر ہے خلافت اسلامی کے بقاء استحکام، اور حفظ و صیانت کے لئے مرتب و مدون قانون۔ ہر دستور العمل کی حکیمانہ شرح و تفصیل۔ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے تمام مسائل پر بحث و تحقیص ہے۔

ملنے کا پتا

محمد اشرف، بی۔ اے، جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ